پریم چند

باتصویر سوانح

کمل کشور گوئینکا

مترجم: ڈاکٹر اے جے مالوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومت ہند)

ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

پریم چند

باتصویر سوانح

کمل کشور گوئینکا

مترجم: ڈاکٹر اجے مالوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومت ہند)

ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 110066

Premchand Ba Tasveer Swaneh
Dr. K. K. Goenka
Translated by : Dr. Ajay Malvi

سنہ اشاعت	:	جولائی 2002 شک 1924
پہلا اڈیشن	:	1100
قیمت	:	54/=
سلسلہ مطبوعات	:	1000
کمپوزنگ	:	پرنس گرافکس Tel. 4963540

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066
طابع: لاہوتی پرنٹ ایڈس، 1397 پہاڑی املی، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی 110006

پیش لفظ

اردو کے اہم مصنفین کی تمام تحریروں کو شائع کرنے اور انھیں قارئین تک پہنچانے کا منصوبہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ اس منصوبے کے تحت میر، درد، ناسخ، آغا حشر، پریم چند، منٹو اور فراق وغیرہ کی تخلیقات کو کلیات کی شکل میں اردو کونسل شائع کررہی ہے۔ کلیاتِ پریم چند قومی اردو کونسل 22 جلدوں میں شائع کرے گی جن میں سے بیشتر جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ کونسل نے یہ کوشش کی ہے کہ پریم چند کے تعلق سے کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے اسی لیے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، مضامین، اداریے اور تراجم بہ اعتبار صنف یکجا کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں پریم چند پر لکھی دوسری زبانوں خاص طور سے ہندی کی اہم کتابوں کے تراجم بھی کونسل شائع کررہی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کتاب ڈاکٹر کے. کے. گوئینکا کی "پریم چند: باتصویر سوانح" ہے۔

یہ کتاب پریم چند کے مختلف فوٹوگرافوں اور کچھ اہم دستاویزوں کے ذریعے تیار کی گئی ہے اور پریم چند کی زندگی، ان کے فکری میلانات، ہم عصر ادیبوں سے ان کے تعلقات اور ان کے طویل ادبی سفر کی روداد پیش کرتی ہے۔

کونسل جناب کمل کشور گوینکا اور مترجم اجے مالوی کی ممنون ہے۔

امید ہے کونسل کی دیگر مطبوعات کی طرح یہ کتاب مطالعہ پریم چند میں اہمیت کی حامل ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

دیباچہ

میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ "پریم چند : باتصویر سوانح" اب اردو میں شائع ہورہی ہے۔ یہ کتاب اردو کے ہزاروں لاکھوں قاریوں کے ہاتھوں تک پہنچ سکے گی اور پریم چند پر میری تحقیق و تلاش اور گم شدہ دستاویزوں کی جانکاری انھیں مل سکے گی۔ پریم چند نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اردو سے کیا تھا اور مصنف کے طور پر اپنا تقریباً نصف سفر اردو زبان میں ہی طے کیا تھا۔ اردو سے ان کی محبت کبھی کم نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کا بہترین افسانہ "کفن" اردو میں ہی لکھا گیا جو "جامعہ" کے دسمبر 1935 کے شمارے میں شائع ہوا۔ لیکن پریم چند زبان کی دیواروں کو توڑ کر ایک عالمی مصنف بن گئے۔ ان کے زمانے میں ہی ان کے افسانے انگریزی، جاپانی، جرمنی وغیرہ غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ ہوچکے تھے۔

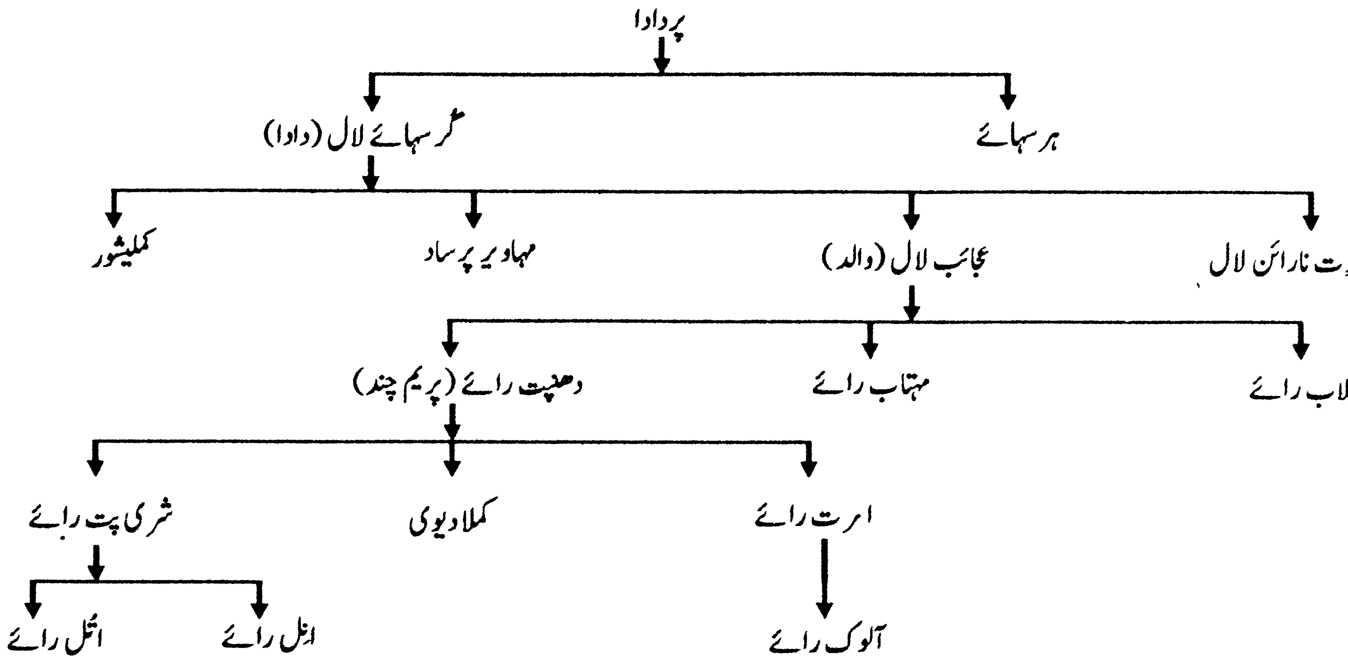
پریم چند پر یہ کتاب جو بنیادی طور سے ہندی قارئین کے لیے لکھی گئی تھی، پہلی بار اردو کے قارئین تک "پریم چند : باتصویر سوانح" کے عنوان سے پہنچ رہی ہے۔ پریم چند بیسویں صدی کے اہم ہندستانی مصنفوں میں تھے۔ انھوں نے غلام بھارت کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے مگر معاشرے میں آج بھی وہی مسائل دکھائی دیتے ہیں۔ انسان روز بہ روز پستی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایسی حالت میں پریم چند کی یہ سوانح قارئین کے دلوں میں اپنے وطن سے

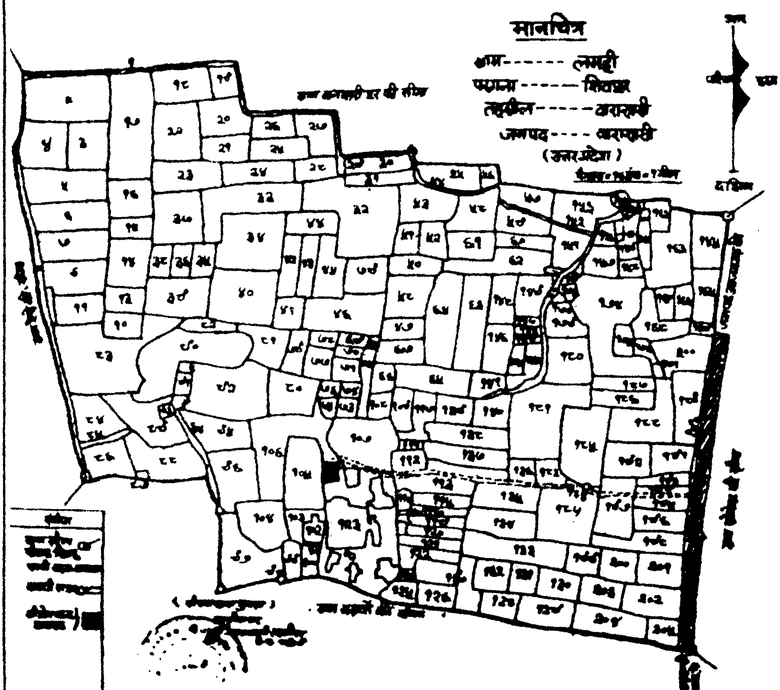
محبت کرنے، برائیوں سے لڑنے، آدمی کو اونچا اٹھانے اور خود اچھا انسان بننے کا جذبہ پیدا کرے گی۔ پریم چند جیسے شخص کی سوانح پڑھ کر ہم ان جیسا انسان بننے کی کوشش تو کر سکتے ہیں۔

"پریم چند : با تصویر سوانح" کی اردو میں اشاعت کے لیے میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور اس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ کا ممنون ہوں جن کی توجہ سے یہ کتاب اردو قارئین تک پہنچ سکی ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ کتاب پریم چند پر لکھی دوسری کتابوں کی طرح اہم ثابت ہوگی۔

جولائی 2002 — کمل کشور گوئینکا

شجرۂ منشی پریم چند





لمہی گاؤں کا نقشہ — نقشے میں ■ نشان سے درج جگہ
پریم چند کا مکان ہے۔

اتر پردیش کے مشہور شہر بنارس سے اعظم گڑھ کی طرف جانے والی سڑک پر چار میل دور واقع لمہی گاؤں میں سنیچر کے دن 31 جولائی 1880 کو ہندی اور اردو کے مشہور ادیب پریم چند کی کچے خاندانی مکان میں پیدائش ہوئی۔ والد کا نام منشی عجائب لال شری واستو اور والدہ کا نام آنندی تھا۔ عجائب لال کے والد گرو سہائے لال پٹواری تھے۔ وہ شراب پینے، بیوی کو پیٹنے اور کسانوں کی لوٹ کھسوٹ کے لیے بدنام تھے۔ لیکن عجائب لال اپنے والد کے بالکل برعکس ایماندار، نیک دل اور شیریں زبان تھے۔ گاؤں میں سبھی ان کی عزّت کرتے تھے۔ وہ گاؤں میں پوسٹ ماسٹر تھے اور دس روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ آنندی بھی شوہر کی طرح نرم مزاج، نیک دل اور دوسروں کی مدد کرنے والی عورت تھی۔ ان کی دو لڑکیوں کی بے وقت موت اور چھ سات برس کی ایک زندہ بیٹی سگی کے بعد اس بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔ والد نے بیٹے کا نام رکھا دھنپت رائے اور تاؤ نے نواب رائے۔ یہی دھنپت رائے آگے چل کر پریم چند کے نام سے ہندستان کے مشہور ادیب بنے۔

وہ والد کی طرح گورے چٹے لیکن جسم سے کمزور تھے۔ ماں کے وہ بڑے لاڈلے تھے کیونکہ تین بیٹیوں کے بعد بیٹے کی پیدائش ہوئی



پریم چند کی جائے پیدائش — لمہی گاؤں کی کوٹھری۔ تصویر میں ہندی شاعر ترلوچن اور چیک ہندی ادیب پروفیسر اسمیکل بھی کھڑے ہیں۔

تھی۔ بیٹے کو نظر لگ جانے یا جادو ٹونے کا اثر ہو جانے کے اندیشے سے ماں ہر وقت جھاڑ پھونک کرواتی، رائی نون سے نظر اُترواتی اور روز ڈٹھونا (ماتھے پر بائیں طرف کاجل کا نشان) لگاتی۔ بچپن میں وہ شرارتی اور کھیل کود کے رسیا تھے۔ ایک دفعہ رامو نام کے لڑکے کا کھیل کھیل میں بانس کی کمانی سے کان کاٹ لیا، تو ماں سے چار پانچ جھاپڑ کھانے پڑے۔ گاؤں کے لڑکوں کے گروہ کے تو وہ ہیرو تھے۔ آم کے موسم میں ڈھیلے سے آم گرا لیتے اور سب مل کر کھاتے۔ جب رکھوالا چلاّ تا اور گالی دیتا پکڑنے آتا تو بھاگ نکلتے۔ اِملی کے درخت کے نیچے کبھی گولی اور چیوں سے کھیلتے اور کبھی کبڈّی کی پالی جمتی۔ایک بار چچیرے بھائی بلبھدّر کے ساتھ ایک روپیہ چرایا تو جھوٹ بول کر پٹنے سے بچ گئے۔ اپنے چاروں چچیرے بھائیوں سے انھیں بے پناہ محبت تھی۔ کوئی پوچھتا تو انھیں اپنا ہی بھائی بتاتے۔ رات کو بلبھدّر کے ساتھ ہی دادی سے کہانی سنتے۔ رام لیلا کے رام، سیتا اور لکشمن پر تو وہ اپنی جان قربان کرتے اور قزاقی ڈاک ہرکارے کی محبت میں اتنے گرفتار ہوئے کہ اس کی ہر طرح مدد کرنے کو بے قرار ہو اٹھے۔ چوری، قزاقی، رام لیلا، گلّی ڈنڈا اور ہولی کی چھٹی وغیرہ افسانوں میں بچپن کے حالاتِ زندگی کی تصویریں صاف طور پر دکھائی دیتی ہیں۔

آٹھ برس کی عمر میں نزدیک کے لال پور گاؤں کے ایک مولوی



راوت پاٹھ شالہ، گورکھپور، جہاں سے پریم چند نے مڈل کا امتحان پاس کیا۔

صاحب کے یہاں اردو اور فارسی درس سے ان کی تعلیم شروع ہوئی۔ وہ اپنے چچیرے بھائی بلبھدر کے ساتھ پڑھنے جاتے تو راستے میں گلی ڈنڈا کھیلتے، اوکھ اور مٹر توڑتے، بھالو اور بندر کا تماشا، سپاہیوں کی قواعد اور ریل گاڑی کا آنا جانا دیکھتے۔ اسی درمیان 1888 میں ان کی والدہ آنندی کا انتقال ہوگیا۔ والد نے دو برس کے بعد دوسری شادی کر لی اور انھی دنوں ان کا تبادلہ گورکھپور ہوگیا۔ گورکھپور کی راوت پاٹھ شالا میں انگریزی زبان کی تعلیم شروع ہوئی اور کچھ برسوں تک وہاں مطالعہ کیا۔ انھوں نے 1896 میں مشن اسکول کے آٹھویں درجے میں داخلہ لیا۔ والد نے جیبی خرچوں کے لیے پانچ روپے ماہانہ دینا طے کیا۔ انھوں نے اس وقت کے حالات سے متعلق اپنے مضمون ''جیون سار'' میں لکھا ہے کہ پاؤں میں جوتے نہ تھے، جسم پر پورے کپڑے نہ تھے اور مہنگائی الگ تھی۔ گھر سے صبح آٹھ بجے نکلتے اور رات کو آٹھ بجے ہی گھر پہنچتے۔ اسکول سے لوٹتے ہوئے بانس کے پھاٹک پر ایک لڑکے کو ٹیوشن پڑھاتے اور رات کو گھر جاکر ڈھبری کے سامنے پڑھنے بیٹھتے، لیکن نہ جانے کب نیند آجاتی۔ اسی درمیان ان کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے ان کا ایک سال خراب ہوگیا۔ وہ جنوری 1899 میں انٹرنس کے امتحان میں بیٹھے اور دوئم درجے میں کامیاب ہوئے۔ امتحان کا رول نمبر 872 اور سرٹیفکیٹ کا نمبر 504 تھا۔

No. 504

University of Allahabad.

J.W.B.

Entrance Examination, 1899.

Roll No. 872

I certify that Dhanpat Rai

Benares Collegiate School, aged 17 years and 6 months,

passed the Entrance Examination held in the month of January, 1899,

and was placed in the Second Division.

Allahabad:
The 20th February, 1899.

UNIVERSITY OF ALLAHABAD

Dodd
Registrar.

انٹرنس سرٹیفکیٹ

انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد بہت کوششوں کے باوجود بھی بنارس ہندو کالج میں داخلہ نہ لے سکے۔ ان کی بیماری اور حساب میں کمزوری نے پریشانی پیدا کردی۔ اب وہ بنارس میں رہ کر پانچ روپے ماہانہ کا ٹیوشن کرکے گزر بسر کرنے لگے۔ ایک دن پیسے کی تنگی کی وجہ سے حساب کی کنجی فروخت کرتے وقت خوش قسمتی سے چنار کے مشن اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے انھیں اٹھارہ روپے ماہانہ پر اپنے یہاں ماسٹری کی نوکری کی پیشکش کی جو انھوں نے فوراً قبول کرلی۔ اس وقت کی ناامیدی اور پریشانی میں اٹھارہ روپے ماہانہ کی آمدنی ان کے خیالوں کی اونچی سے اونچی اڑان سے بھی اوپر تھی۔ وہ اسکول میں پانچ یا چھ مہینے ہی کام کرپائے تھے کہ ایک انگریز کھلاڑی کی بدتمیزی کی مخالفت کرنے، اسے میدان میں لگی جھنڈی سے پیٹنے اور اپنے ساتھی ماسٹر مولوی صاحب کا اسکولی افسر کی زیادتیوں کے خلاف ساتھ دینے کی پاداش میں انھیں نوکری سے ہٹا دیا گیا۔ اس بار انھیں کونس کالج کے پرنسپل بیکن صاحب کی کوششوں سے بہرائچ کے سرکاری ضلع اسکول میں نوکری مل گئی اور انھوں نے 2 جولائی 1900 کو 20 روپے ماہانہ پر پانچویں ماسٹر کا عہدہ سنبھال لیا۔ انھوں نے اپریل 1904 میں گورنمنٹ سینٹرل ٹریننگ کالج الٰہ آباد سے ''جونیئر انگلش ٹیچر سرٹیفکیٹ'' کا امتحان دیا اور اوّل درجے سے امتحان پاس کیا۔

گورکھپور میں ہی انھیں ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ انھوں نے

آوازۂ خلق بنارس بدھ ۲ نمبر ۱۳ ۸ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء

ناول اسرار معابد

مصنفہ منشی دھنپت رائے صاحب عرف نواب رائے الٰہ آبادی

باب پہلا (۱)

محفل عیش طرب و ارباب نشاط کا جمگھٹ

رنگیلے بلم کب کروگے چترائی ۔ رنگیلے بلم کاہے کروگے چترائی ۔ رنگیلے بلم......

ناول ''اسرار معابد'' کا اندرونی سرورق

Allahabad
20.2.05

My dear B. Daya Narayan Sahib
It is more than two months that I had the good fortune to send my MSS novel to you for your perusal, in the hope that you will kindly secure for me a publisher. I remember it was 8th of December when I sent the book. You ack-

Dhanpat Rai
Training College
Allahabad

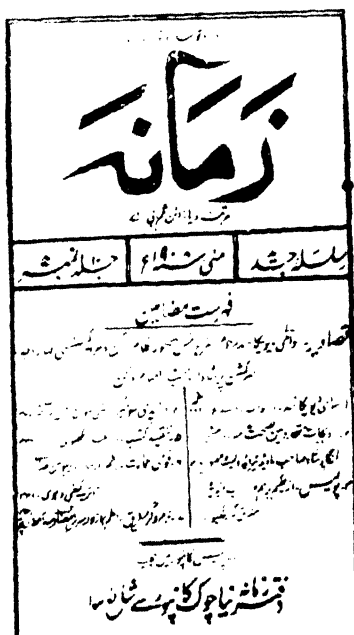
دیا نرائن نگم کو 20 فروری 1905 کو تحریر کردہ خط کا عکس

تیرہ برس کی عمر تک اردو میں لاتعداد ناول اور دوسری کتابیں پڑھ لی تھیں۔ ''طلسم ہوش ربا'' کے سترہ حصے اور پُران وغیرہ کے ساتھ ساتھ پنڈت رتن ناتھ سرشار، مرزا محمد ہادی رسوا، مولوی محمد علی وغیرہ کے اردو ناول اور رینالڈ کے اردو ترجمے وغیرہ، پڑھی جانے والی خاص کتابیں ہیں۔ کتابیں پڑھنے کا یہ شوق اتنا زیادہ تھا کہ بدھی لال نام کے کتاب فروش کی دکان میں موجود ناول پڑھنے کے بدلے میں وہ اس کے یہاں کی شرح اور نوٹس اسکول کے لڑکوں کو بیچا کرتے تھے۔ اسی عمر میں انھیں اردو میں لکھنے کا شوق ہوا۔ وہ لکھتے اور پھاڑ دیتے اور یہی سلسلہ چلتا رہتا کہ اسی درمیان انھوں نے ایک چمپارن سے اپنے ماما کے عشق پر ایک ڈرامہ لکھ دیا اور اسے گھر آئے ماما کے سرھانے رکھ دیا۔ دوسرے دن ماما بوریا بستر اٹھا کر چلتے بنے اور اس ڈرامے کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ ان کی پہلی شائع شدہ تخلیق بہ عنوان ''اولیور کرام ویل'' اردو میں ہے۔ ان کی یہ تحریر بنارس کے ہفتہ وار اخبار ''آوازۂ خلق'' میں یکم مئی 1903 سے قسط وار شائع ہوئی۔ ان کا پہلا ناول ''اسرارِ معابد'' بھی اسی ہفتہ وار اردو اخبار میں 18/ اکتوبر 1903 سے سلسلہ وار چھپنا شروع ہوا۔ اپنے اس پہلے ناول میں ہی انھوں نے مندر کے پجاریوں کی بدکرداری، دھوکہ بازی اور جھوٹ بولنے کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

تقریباً انھی دنوں اردو ماہانہ رسالے ''زمانہ'' کے نوجوان مدیر



دیا نرائن نگم



زمانہ

مئی ۱۹۰۸ء

فہرست مضامین

دفتر زمانہ نیا چوک کانپور سے شائع ہوا

"زمانہ" مئی 1908 کا سرورق۔ فہرست میں سوامی دویکانند پر نواب رائے کے نام سے لکھا ہوا مضمون شامل ہے۔

دیانرائن نگم سے ان کا رابطہ قائم ہوا اور دو ہی سال میں ان کے باہمی تعلقات بھائی چارے میں تبدیل ہوگئے۔ انھوں نے عمر میں خود سے چھوٹے نگم کو بڑے بھائی کا رتبہ دیا اور دونوں نے ساری زندگی اس رشتے کو نبھایا۔ ان کے ابتدائی اردو مضامین ''زمانہ'' میں شائع ہوئے اور انھوں نے اپنے اردو ناول ''ہم خرما و ہم ثواب'' (ہندی میں پریما) کا مسودہ نگم کو ناشر کا انتظام کرنے کے لیے بھیجا۔ مئی 1905 میں جب وہ الہ آباد سے تبادلہ ہوکر کانپور پہنچے تو نگم اور ان کے ادبی دوستوں نوبت رائے نظر، درگا سہائے سرور، پیارے لال شاکر وغیرہ کے ساتھ ان کی محفلیں جمنے لگیں جن میں محبت سے لے کر سیاست تک سبھی موضوع پر گرماگرم بحثیں ہوتیں۔ کبھی کبھی ہنسی مذاق اور قہقہوں کے درمیان بوتل بھی کھل جاتی۔ دوستوں کی اس محفل میں وہ اتنے گھل مل گئے کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں لمہی گاؤں جانے پر بیس پچیس دن میں ہی وہ اس محفل کے لیے ترسنے لگے۔ انھوں نے جون 1905 میں اپنی دوستی کے حوالے سے نگم کو بھی لکھا تھا کہ منجدھار میں چھوڑ جانے والے اور ہوں گے، یہاں تو ایک بار کسی کے ہوگئے تو ہوگئے۔ نگم نے نواب رائے (تب وہ اسی نام سے لکھتے تھے) کو جون 1906 سے ''زمانہ'' کے ادارتی شعبہ میں لینے کا اعلان کردیا۔

وہ جب درجہ نہم میں تھے تب ان کے والد نے اپنے نئے سسر کے کہنے پر بستی ضلع کے ایک گاؤں کے چھوٹے موٹے زمیندار کی



پریم چند (1907)

بدصورت، ناخواندہ اور چڑچڑی طبیعت کی لڑکی سے ان کی شادی کردی۔ وہ جب اُسے رخصت کراکر لائے اور اونٹ گاڑی سے اُسے اتارا، تو وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگی۔ اسی سے وہ شرم سے گڑ گئے۔ وہ کئی برس تک کسی طرح اس کے ساتھ نباہ کرتے رہے لیکن جب جون 1905 میں ساس اور بہو میں جھگڑا ہوا تو بیوی ضد کرکے اپنے میکے چلی گئی۔ وہ پھر اسے بلانے نہیں گئے اور نہ ہی وہ خود آئی۔ اس کے کچھ بعد ہی ان کی دوسری شادی کی بات خاندان میں شروع ہوگئی۔ انھوں نے اسی درمیان ''کائستھ بال وِدھوا اُدّھارک'' نامی کتابچہ پڑھا اور اس سے متاثر ہوکر بال وِدھوا سے ہی شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے جنوری 1906 کے آس پاس کتابچے کے مصنف دیوی پرساد سے خط و کتابت کی اور ان کی بال وِدھوا بیٹی شیورانی دیوی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے 1906 کے پھاگن (مارچ) ماہ میں شیوراتری کے دن شورانی دیوی سے شادی کی۔ مہتاب رائے اور دو تین دوست ہی ان کی شادی میں شامل ہوئے۔

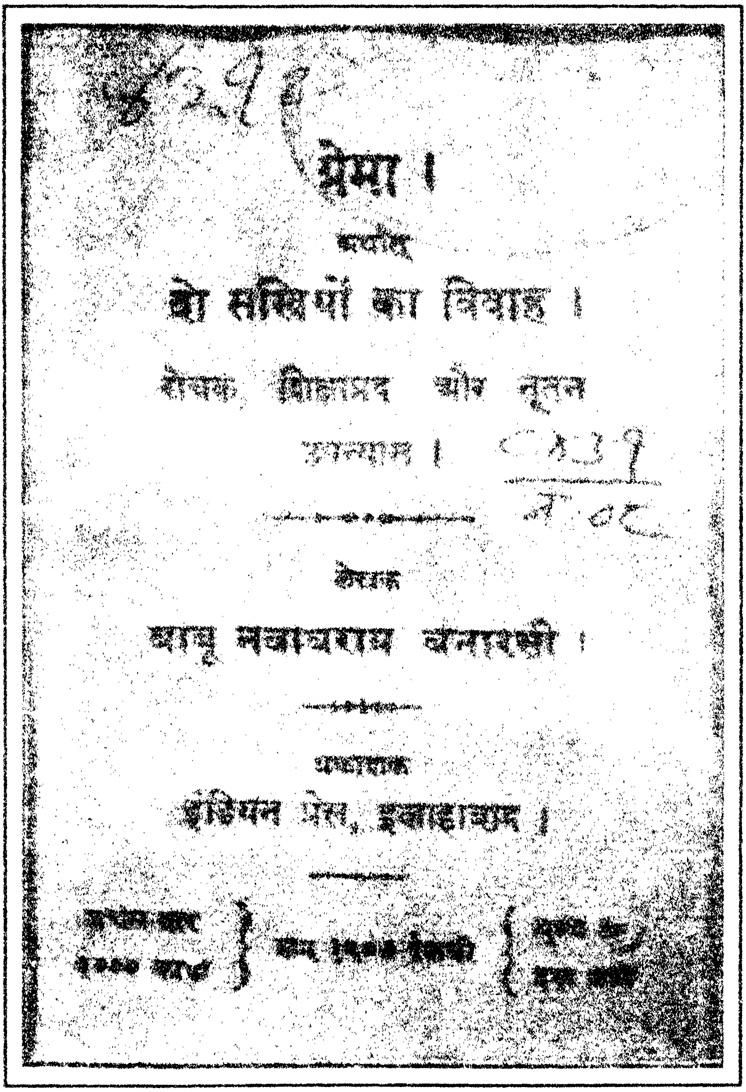
ان دونوں شادیوں کا ان کا تجربہ کافی الگ الگ رہا۔ ان کی پہلی شادی 17 برس کی عمر میں اور دوسری شادی تقریباً 26 برس کی عمر میں ہوئی۔ پہلی شادی پر وہ خوش تھے اور خود ہی منڈپ چھانے کے لیے بانس کاٹ کر لائے تھے۔ شادی کے لیے خریدے گئے پانچ روپے کے گُو میں سے بہت سا گُو وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھاگئے۔ اس



شریمتی شیورانی دیوی

خوشی اور گرمجوشی کے باوجود پہلی بیوی نے ان کی زندگی کو غمگین بنادیا۔ اس کے لیے انھوں نے اپنے والد کو قصوروار ٹھہرایا ہے جنھوں نے آخری وقت میں دوسری شادی کر کے خود ٹھوکر کھائی اور انھیں بھی اسی دھکّے سے گرا گئے۔ والد نے اپنی غلطی مانی اور کہا کہ انھوں نے لڑکے کو کنویں میں ڈھکیل دیا ہے۔ دوسری شادی اپنی مرضی سے کرنے پر بھی آٹھ نو برس تک وہ شیورانی دیوی کو اپنے مطابق نہ ڈھال سکے۔ شیورانی کو ساس کی ڈانٹ ڈپٹ پسند نہ تھی اور گھر کی مالکن بن کر وہ فضول کے جھنجھٹ اور جھگڑے مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ بار بار مائکے جانے کی ضد کرتی تو پریم چند کئی بار غصے میں توازن کھو بیٹھتے۔ ایک دفعہ وہ اتنے جذباتی ہوگئے کہ ماں کی بے غرض محبت کو یاد کرتے کرتے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ تب سے شیورانی دیوی کا رویّہ بدلا۔ وہ ان سے مہربانی سے پیش آنے لگیں اور اس طرح انھوں نے ان کا دل جیت لیا۔

انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اردو زبان سے کیا لیکن ان میں ہندی کے پڑھنے والوں تک پہنچنے کی خواہش شروع سے ہی رہی۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنے اردو ناول ''ہم خرما و ہم ثواب'' کا ہندی ترجمہ ''پریما'' کے عنوان سے 1907 میں انڈین پریس الہٰ آباد سے شائع کرایا۔ ناول پر بہ طور مصنف ان کا نام بابو نواب رائے بنارسی چھپا ہے۔ اس ناول میں انھوں نے پورنا اور پریما نام کی دو


प्रेमा ।

अर्थात्

दो सखियों का विवाह ।

रोचक, शिक्षाप्रद और नूतन

उपन्यास ।

लेखक

बाबू नवाबराय बनारसी ।

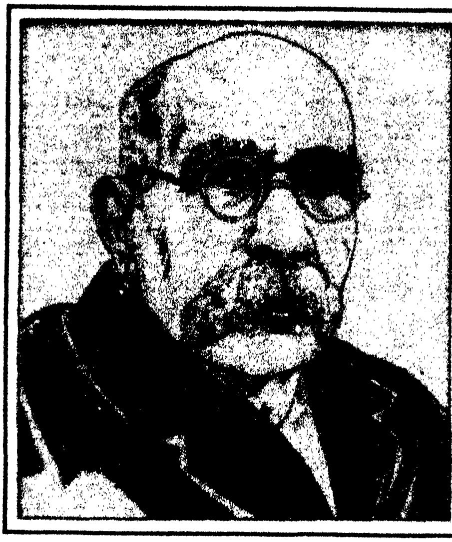
प्रकाशक

इंडियन प्रेस, इलाहाबाद ।

پہلے ہندی ناول ''پریما'' کا سرورق

ہندو بیواؤں کی شادی کرا کر ایک عظیم معاشرتی انقلاب کی دعوت دی۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کے خیالات اور معاشرے میں بیداری لانے کے لیے ان کی کوششوں کا پریم چند کے دل و دماغ پر بہت اثر ہوا۔ اسی اثر کی بنا پر انھوں نے معاشرتی تبدیلی اور معاشرتی بیداری سے متعلق ناولوں اور افسانوں کی تخلیق کی۔ اسی دوران میں وہ سوامی وویکانند کے خیالات سے بھی متاثر ہوئے اور ان پر ایک مضمون بھی لکھا جو ''زمانہ'' کے مئی اور جون 1908 کے شمارے میں شائع ہوا۔ انھوں نے اس مضمون میں سوامی وویکانند کی حبّ الوطنی، معاشرتی تبدیلی کی لگن، دردمندی، نیچی ذات کے لوگوں کو بھائی ماننے، نیز ان کے تعلیمی اصولوں اور ادائیگی فرض پر زور دینے وغیرہ کی دل کھول کر تعریف کی۔

ان کا پہلا اردو افسانوی مجموعہ ''سوزِ وطن'' جولائی 1908 میں زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا۔ انگریزی غلامی کے دور میں حبّ الوطنی پر لکھے گئے افسانوں کا یہ پہلا مجموعہ تھا۔ اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے انگریز کلکٹر کا خیال اس کتاب کی طرف گیا اور اس نے انھیں 1908 کے آخری مہینوں میں کبھی طلب کیا اور باغیانہ ادب لکھنے کی بنا پر سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم مغل سلطنت میں ہوتے تو تمھارے ہاتھ کاٹ دیے جاتے۔ کلکٹر نے کتاب کی باقی ماندہ سات سو جلدیں منگا کر جلوادیں اور آئندہ کے لیے اشاعت سے قبل سبھی



پنڈت مہاویر پرساد دویدی (پریم چند کے پہلے ناقد)

सरस्वती। भाग ९

७—सोज़ेवतन। पुस्तक उर्दू में है। इसमें स्वदेश-प्रेम सम्बन्धी पाँच आख्यायिकायें हैं। आख्यायिकायें मनोरञ्जक और उपदेशपूर्ण हैं। इन्हें पढ़कर स्वदेशभक्ति का पवित्र भाव हृदय में अङ्कुरित हो जाता है। आजकल ऐसे क़िस्सों की बड़ी आवश्यकता है। इन्हें पढ़कर लोग बहुत लाभ उठा सकते हैं। कागज़ और छपाई उत्तम है। इसकी रचना उर्दू के प्रसिद्ध लेखक श्रीयुत नवाबराय ने की है। मूल्य साढ़े चार आने। मिलने का पता—बाबू विजयनारायणबक्लाल, नया चौक, कानपुर।

''سرسوتی'' دسمبر 1908 میں شائع شدہ ''سوزِ وطن'' کا تبصرہ

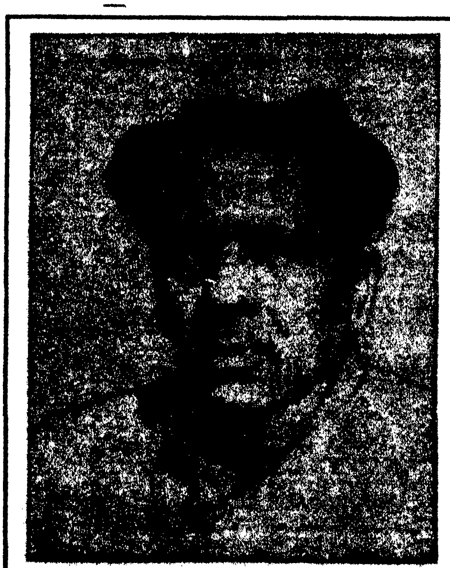
تخلیقات کو سنسر کرانے کا حکم دیا۔ ان افـ کی اثرانگیزی کے متعلق ایک دفعہ مشہور شاعر فراق گورکھپوری نے تھا۔ ''جیسے ایک ٹینک کو اڑانے کے لیے ایک چھوٹا لیکن مناسب جگہ پر رکھا ہوا بم ہو۔''

ان کی ہندی پڑھنے والوں تک پہنچنے کی کوشش بھی تقریباً اسی دور میں شروع ہوئی۔ اردو ناول ''ہم خرما و ہم ثواب'' ہندی میں ''پریما'' کے عنوان سے 1907 میں شائع ہوا۔ وہ افسانوی مجموعے ''سوز وطن'' کی بھی جانکاری ہندی پڑھنے والوں کو دینے کے لیے بے قرار تھے۔ اس کے لیے انھوں نے ''سوزِ وطن'' کی ایک جلد مشہور ہندی ماہانہ رسالے ''سرسوتی'' کے مدیر پنڈت مہاویر پرساد دِویدی کے پاس 22 ستمبر 1908 کو بھیجی اور انھوں نے سرسوتی کے دسمبر 1908 کے شمارے میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حب الوطنی سے لبریز ان افسانوں کی تعریف کی۔ اس طرح دِویدی پریم چند کے پہلے ناقد بنے۔

وہ انگریز کلکٹر کی طرف سے سنسرشِپ عائد کردیے جانے سے بہت پریشان تھے۔ کیونکہ ہر ایک افسانہ، ناول اور مضمون سنسر کے لیے بھیجنا انھیں غیر عملی بھی لگا اور وقت طلب بھی۔ انھوں نے وقتی طور پر ''چھدم'' نام سے لکھنے کا فیصلہ کیا اور اپنے لیے ایک نئے نام کی تلاش میں لگ گئے۔ اس درمیان ان کی کہانی ''پاپ کا اگنی کنڈ'' افسانہ گو کے نام سے ''زمانہ'' کے مارچ 1910 کے شمارے میں شائع



مہاویر پرساد پوڈار



رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

ہوئی۔ ان کا مشہور افسانہ ''رانی سارندھا'' تو بغیر مصنف کے نام کے ہی ''زمانہ'' کے اگست ستمبر 1910 کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی نئے نام کی تلاش جاری رہی۔ ان کے خاص دوست اور ''زمانہ'' کے ایڈیٹر منشی دیانرائن نگم نے انھیں پریم چند نام رکھنے کی تجویز پیش کی جسے انھوں نے قبول کر لیا۔ اس نئے نام ''پریم چند'' سے ان کا پہلا افسانہ ''بڑے گھر کی بیٹی'' ''زمانہ'' کے دسمبر 1910 کے شمارے میں چھپا۔ افسانے میں آنندی اپنے شوہر اور دیور کے جھگڑے کو ختم کرا کر مشترک خاندان کو ٹوٹنے سے بچا لیتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بڑے گھر کی بیٹی کہلاتی ہے۔

انھوں نے اردو میں تقریباً بارہ تیرہ برس تک لکھنے کے بعد ہندی میں خاص طور سے لکھنے کا فیصلہ کیا۔ یکم ستمبر 1915 کو انھوں نے منشی دیانرائن نگم کو خط میں لکھا ''اب ہندی میں لکھنے کی مشق بھی کر رہا ہوں۔ اردو میں اب گزر نہیں ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بال مکند گپت مرحوم کی طرح میں بھی ہندی لکھنے میں زندگی صرف کردوں گا۔ اردو نویسی میں کس ہندو کو فیض ہوا، جو مجھے ہو جائے گا۔'' ان کا پہلا ہندی افسانہ ''سوت'' ہندی کے ماہانہ رسالے ''سرسوتی'' کے دسمبر 1915 کے شمارے میں چھپا۔ رسالے کے مدیر پنڈت مہاویر پرساد دِویدی نے افسانہ، اصلی مسودے کی زبان و بیان میں ترمیم کر کے شائع کیا۔ اسی درمیان ان کا گورکھپور میں مہاویر پرساد پوڈار اور رگھوپتی

भूमिका

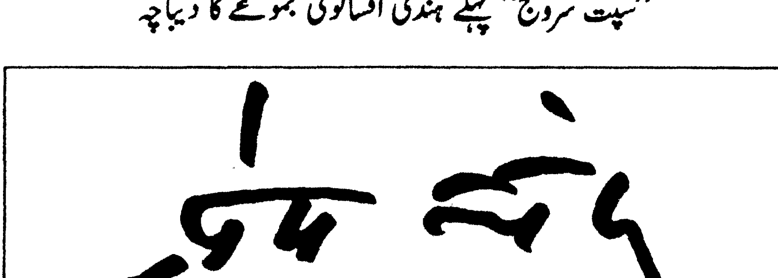
उर्दू संसारके हिन्दू महारथियोंमें प्रेमचन्दजी का स्थान बहुत ऊँचा है। अनेक नामोंसे आपकी पुस्तकें उर्दू संसारकी शोभा बढ़ा रही हैं। उर्दू पत्रोंने आपकी रचनाओंकी मुक्तकण्ठसे प्रशंसा की है।

हर्षकी बात है कि मातृभाषा हिन्दीने कुछ दिनोंसे आपके चित्तको आकर्षित किया है। प्रेमचन्दजीने पूजनार्थ नागरी मन्दिरमें प्रवेश किया है और माताने हृदय लगाकर अपने इस यशशाली प्रेमपुत्रको अपनाया है। इन प्रतिभा-शाली लेखक महानुभावने इतनी जल्दी हिन्दी संसारमें इतना नांम कर लिया है कि आश्चर्य होता है। आपकी कहानियां हिन्दी संसारमें अनूठी चीज़ है। हिन्दी पत्र पत्रिकायें आपके लेखोंके लिए लालायित रहती हैं।

कुछ लोगोंका विचार है कि आपकी गल्पें साहित्य-मार्तण्ड रवीन्द्र बाबूकी रचनासे टक्कर लेती हैं। ऐसे विद्वान् और प्रसिद्ध लेखकके विषयमें विशेष लिखना अना-वश्यक और अनुचित होगा।

महरोला
आज़मगढ़ } मन्नन द्विवेदी गजपुरी।
८-६-१९१७

"سپت سروج" پہلے ہندی افسانوی مجموعے کا دیباچہ



پریم چند کے ہندی دستخط

سہائے فراق گورکھپوری سے تعارف ہو چکا تھا۔ مہاویر پرساد پوڈار نے بھی انھیں ہندی میں آنے کی ترغیب دی ''سوت'' کہانی کے شائع ہونے کے بعد ہندی اخبارات و رسائل میں ان کے افسانوں کا مطالبہ روز بروز بڑھتا گیا۔ ان کا پہلا ہندی افسانوی مجموعہ ''سپت سروج'' مہاویر پرساد پوڈار کی ترغیب سے ہی ہندی پستک ایجنسی گورکھپور سے جون 1917 میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں مندرجۂ ذیل سات افسانے تھے : بڑے گھر کی بیٹی، سوت، سجّنتا کا ڈنڈ، پنچ پر میشور، نمک کا داروغہ، اپدیش، پریکشا۔ پنڈت منّن دِویدی نے مجموعے کے دیباچے میں پریم چند کو ''اردو دنیا کا ہندو مہارتھی'' اور ''نابغہ'' کہتے ہوئے ان کے مادری زبان میں لکھنے کا استقبال کیا اور انھیں دنیا کے مشہور بنگلا مصنف ٹھاکر رویندر ناتھ کے برابر رکھ کر دیکھا۔

وہ اس دوران سرکاری نوکری چھوڑ کر آزاد مصنف کی زندگی گزارنے کے لیے برابر بیچینی محسوس کرتے رہے۔ ''سوز وطن'' کے واقعے سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ انگریزوں کی غلامی میں رہتے ہوئے ادب کے ذریعے ملک کی خدمت کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے وہ اردو صحافت میں جانا چاہتے تھے۔ اگرچہ وہاں بھی وہ دیکھ رہے تھے کہ اردو کے سبھی رسائل ''کتّے کی زندگی'' جی رہے ہیں۔ پھر بھی اپنے دوست دیانرائن نگم کے دو رسالے ''زمانہ'' اور ''آزاد'' ان کے سامنے تھے، جن میں چھٹی لے کر یا نوکری چھوڑ کر کام کرنے کے سلسلے میں

'सेवासदन' पर प्रेमचंद के विचार

"मैं आजकल एक किस्सा लिखते-लिखते नाविल लिख चला। कोई सौ सफ़े तक पहुँच चुका है। X X X अब इस नाविल में ऐसा जी लग गया है कि दूसरा काम करने को जी ही नहीं चाहता। X X X किस्सा दिलचस्प है और मुझे ख़्याल होता है कि मैं अब की बार नाविल नवीसी में भी कामयाब हो सकूँगा।"

"आप यह सुनकर खुश होंगे कि मेरे हिन्दी नाविल ('सेवासदन—लेखक) ने खूब शोहरत हासिल की और अक्सर नक़्क़ादों ने उसे हिन्दी ज़बान का बेहतरीन नाविल कहा है।"

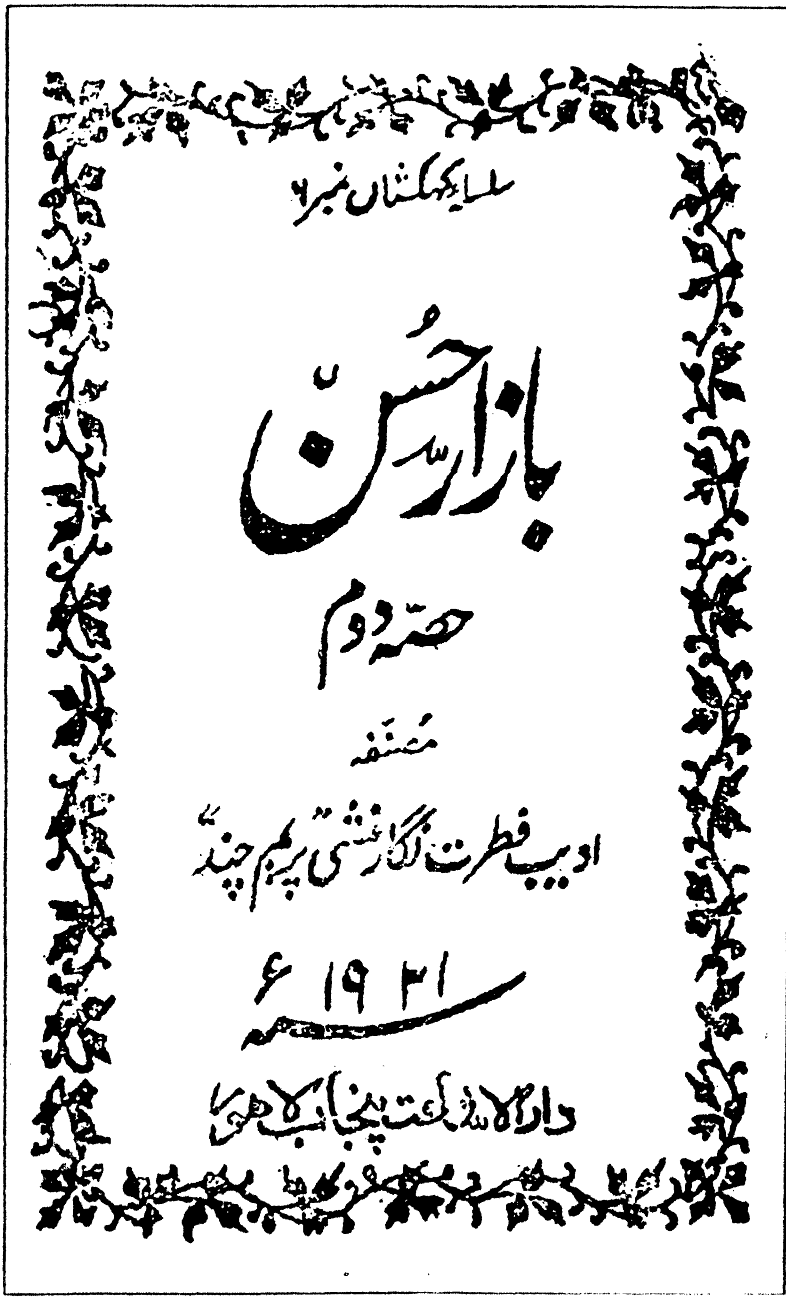
"سیواسدن" پر پریم چند کے خیالات



نج ناتھ کیڈیا ("سیواسدن" کے ناشر)

1910 سے 1917 کے درمیان کئی دفعہ خط و کتابت اور بات چیت ہوئی۔ وہ ایک دو دفعہ کام کرنے کے خیال سے کانپور بھی گئے لیکن رسالے کی مالی حالت کو خراب دیکھ کر نوکری پر لوٹ گئے۔ نگم ان کے اس رویے سے ناراض بھی ہوئے لیکن انھوں نے صاف لفظوں میں کم پیسوں پر کام کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ سو روپے ماہانہ، تنخواہ اور لکھنے سے کما لیتے تھے اور گزر بسر کے لیے اتنی یافت کو ضروری سمجھتے تھے۔ رات دن کی غلامی انھیں پسند نہ تھی۔ گنیش شنکر ودیارتھی کی طرح ''تنہائی میں بیٹھ کر ادب کی خدمت'' کرنے کی بے پناہ خواہش ان میں تھی۔ 10 نومبر 1914 کو نھوں نے نگم کو خط لکھا کہ پرائیوٹ اسکول کی ماسٹری کرتے ہوئے ''زمانہ'' اور ''آزاد'' کی خدمت کرنا اور ساٹھ ستر روپے ماہوار پر مطمئن رہنا ہی مناسب ہوگا۔ ساتھ ہی کچھ کتابیں لکھ کر انھیں اپنے خرچ سے چھپواؤں گا، لیکن اگر اس سے پہلے ہی زندگی نے جواب دے دیا تو ''رام نام ست'' ہے۔ اس سے تقریباً دو سال بعد انھوں نے اپنا ناول ''سیوا سدن'' (اردو میں ''بازار حسن'') لکھنا شروع کیا اور جلد ہی انھیں محسوس ہونے لگا کہ اس بار وہ ''ناول نویسی'' میں بھی کامیاب ہوں گے۔

''سیوا سدن'' ان کا پہلا کامیاب ناول ہے۔ پریم چند کے مطابق مہاویر پرساد پوڈار کی ترغیب سے اس ناول کی تخلیق ہوئی۔ اس ناول نے قارئین اور ناقدین دونوں کا دھیان اپنی طرف کھینچا۔ ہندی کے


سلسلۂ کہکشاں نمبر ۶

بازارِ حسن

حصہ دوم

مصنفہ

ادیب فطرت نگار منشی پریم چند

۱۹۲۱ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

"بازارِ حسن" کا سرورق

کئی رسائل میں اس پر تبصرے شائع ہوئے اور ناقدین نے اسے ہندی کا پہلا طبعزاد انقلابی ناول قرار دیا۔ ''سیواسدن'' کی تخلیق بنیادی طور سے اردو زبان میں ''بازارِ حسن'' کے عنوان سے ہوئی تھی لیکن اس کی اشاعت پہلے ہندی میں ہوئی۔ ہندی پستک ایجنسی، 126 ہیرسین روڈ، کلکتہ کے بانی اور انتظام کار بیج ناتھ کیڈیا نے دسمبر 1918 میں اس ناول کو شائع کیا۔ پریم چند نے ناول میں طوائف بننے کے اسباب، حالات اور اس کے معاشرتی ردعمل کو کامیابی اورفن کاری کے ساتھ پیش کیا ہے اور طوائف کی پریشانیوں کی طرف معاشرے کا خیال کھینچتے ہوئے ان کے حل کی طرف متوجہ کیا ہے۔ انھوں نے اسی طرح غلط ریت رواج، قدامت پسندی اور توہم پرستی کی عکاسی اپنے ادب میں کی اور ان سے آزاد ہو کر ایک بہتر معاشرے کی تعمیر پر زور دیا۔

ادبی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے اور ضعیفی کو آرام سے گزارنے کے لیے انھوں نے جون 1915 میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے پہلے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنا ضروری تھا۔ اس لیے وہ مارچ 1916 میں انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں شریک ہوئے۔ مضامین تھے انگریزی ادب، علمِ منطق، فارسی زبان اور جدید تاریخ۔ امتحان میں رول نمبر 2279 اور سارٹیفیکٹ نمبر 968 تھا۔ انھیں امتحان میں دوم درجے میں کامیابی ملی۔

No. 988

University of Allahabad.

Intermediate Examination, 1916.

Roll No. 2279 Enrolment No. 12938

I certify that Dhanpat Rai of Teacher, Basti College passed the Intermediate Examination held in the month of March, 1916, and was placed in the Second Division.

The subjects in which he was examined were English Literature, Logic Deductive & Inductive ~~or Physiology~~, Classical Language (Persian) & History (History) ~~for Mathematics, Biology, Physics and Chemistry~~.

University of Allahabad:
The 5th June, 1916.

M. G. V. Co.
Registrar.

انٹرمیڈیٹ سرٹیفکیٹ

بی۔اے کا امتحان انھوں نے 1919 میں الہ آباد یونیورسٹی سے دیا اور اس میں بھی دوم درجے میں کامیابی حاصل کی۔ مضامین تھے انگریزی ادب، فارسی اور تاریخ۔ اس کے بعد انھوں نے انگریزی ادب میں ایم۔ اے کرنے کا ارادہ کیا لیکن اپنی علالت اور روزمرہ کی زندگی کی پریشانیوں کے باعث انھیں یہ خیال ترک کرنا پڑا۔

تقریباً انھی دنوں لاہور کے مشہور اردو ادیب امتیاز علی تاج سے ان کا تعارف ہوا جو بعد میں دوستی میں بدل گیا۔ یہ دوستی آخری عمر تک برقرار رہی۔ تاؔج اردو رسالہ ''کہکشاں'' کے مدیر اور دارالاشاعت انجمن کے مالک بھی تھے۔ تاؔج نے ان کے کئی افسانے ''کہکشاں'' میں شائع کیے اور ''زمانہ'' سے زیادہ معاوضہ دیا۔ ان کے کئی اردو ناول ''بازارِ حسن'' (سیواسدن)، ''گوشۂ عافیت'' (پریما شرم)، ''چوگانِ ہستی'' (رنگ بھومی) وغیرہ بھی دارالاشاعت لاہور سے شائع ہوئے۔ پریم چند تاؔج کے قومی خیالات اور ادبی ذہانت سے متاثر تھے اور انھوں نے تاؔج کی کئی تخلیقات کی کُھل کر تعریف کی۔ تاؔج کو جب ولایت جانے کا موقع ملا تو انھوں نے فوراً موقع کا فائدہ اٹھانے کی صلاح دی۔ اس موقع پر انھوں نے اپنے درد کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ آپ نے بھی اگر جوش سے بھرے یہ دو چار سال نکال دیے تو آپ کو بھی میری طرح پچھتانا ہوگا۔ اگر میں نے شروع میں ہی ایم۔ اے کر لیا ہوتا اور افسانہ نگاری میں وہ وقت نہ گزارا ہوتا تو آج

UNIVERSITY OF ALLAHABAD.

UNIVERSITY OF ALLAHABAD — QUOT RAMI TOT ARBORES

Bachelor of Arts.

This is to Certify that Dhanpat Rai Srivastava

obtained the degree of Bachelor of Arts in this University in the Examination of 1919 ; and that he was placed in the Second Division.

The subjects in which he was examined were English Literature, Persian and History

University of Allahabad:
The 22 November, 1919

T. C. Piggott
Vice-Chancellor.

بی.اے. کا سرٹیفکیٹ

کفِ افسوس نہ ملنا پڑتا۔ ویسے وہ ڈگریوں پر مبنی تعلیمی نظام کے کٹّر ناقد تھے۔ ان کے خیال میں یونیورسٹیاں سندسازی کے کارخانے تھے، جو طلبا کو بے مقصد خواہشات کا درس دیتے اور آرام طلب بناتے ہیں۔

تاؔج سے دوستی کا یہ سلسلہ زندگی کے آخر تک چلتا رہا۔ تاؔج نے منصوری چل کر پہاڑوں کی سیر کی دعوت دی تو ان کے ساتھ نہ چلنے پر بھی پرانی پیچش سے نجات پانے کے لیے ہری دوار، رشی کیش، دہرادون وغیرہ جگہوں کی سیر کے لیے چل دیے۔ جب وہ اپریل 1936 میں لاہور گئے تو ایک دن تاؔج نے انھیں اپنے گھر بلایا اور ان کے اعزاز میں دعوت دی۔

ان کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن دوسری بیوی شیورانی دیوی سے کئی اولادیں ہوئیں۔ ان اولادوں میں ایک بیٹی اور دو بیٹے ہی زندہ بچے۔ ان کی سب سے بڑی اولاد ان کی بیٹی کملا ہے، جس کی پیدائش اگست 1913 میں ہوئی۔ اس کے بعد بڑے بیٹے شری پت رائے (دھنّو) کی پیدائش 18 اگست 1916 کو گورکھپور میں ہوئی۔ ان کے چھوٹے بیٹے امرت رائے (بنّو) کی پیدائش 15 اگست 1921 کو کانپور میں ہوئی۔ وہ اس وقت بھی چھوٹے کنبے کے حمایتی تھے۔ انھوں نے پہلا درجہ ریاضت کو دیا لیکن کنبے کو چھوٹا رکھنے کے لیے مصنوعی تدبیر کی بھی حمایت کی۔ اپنے بیٹوں کے لیے



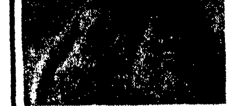
پریم چند اور شیورانی دیوی

ان کی آرزومندی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ انھوں نے 3/ جون 1930 کو بنارسی داس چترویدی کو خط میں لکھا بھی تھا "مجھے اپنے بیٹوں کے متعلق کوئی بڑی خواہش نہیں ہے۔ یہی چاہتا ہوں کہ وہ ایماندار، سچے اور پکے ارادے کے ہوں۔ عیش و عشرت، رئیسی اور خوشامد پسندی سے مجھے نفرت ہے"۔

حقیقتاً انھوں نے نیک دلی اور اخلاص پر مبنی گھریلو زندگی گزاری۔ بے میل شادی کے باوجود انھوں نے آٹھ برس تک پہلی بیوی سے نباہ کیا۔ شیورانی دیوی سے شادی کی تو ہمیشہ یہی چاہا کہ وہ مالکن بن کر گھر کے ساتھ ان پر بھی حکومت کریں۔ ازدواجی زندگی کے متعلق ان کا خیال تھا کہ خدمت، ہمدردی، ضبطِ نفس، نیک نیتی اور باہمی اخلاص سے اسے راحت بخش بنایا جا سکتا ہے۔ وہ پرسکون زندگی کو ایک نعمت تصور کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی تیس برس کی گھریلو زندگی کو اسی طرح اطمینان اور آرام سے رہ کر گزارا۔ بیوی کی خواہشوں، اس کی عادتوں اور اس کی آرزومندیوں کا ہمیشہ خیال رکھا اور گھر کو ہی اپنی اصلی دنیا سمجھا۔ بیوی اور بچوں کو اکیلا چھوڑ کر انھوں نے کہیں باہر جانا پسند نہیں کیا۔ اگر کبھی باہر جانا پڑا تو ہمیشہ یہی چاہا کہ بیوی اور بچے بھی ساتھ چلیں۔ انھوں نے زندگی کے اہم معاملات میں بیوی کی صلاح سے ہی کام کیا۔ گھریلو کاموں میں وہ برابر بیوی کا ہاتھ بٹاتے اور بیوی کے بیمار ہونے پر تو چوکے چولہے سے لے کر گھر کی صفائی،



کملا دیوی (بیٹی)



امرت رائے (بیٹا)



شری پت رائے (بیٹا)

بچوں کو نہلانے دُھلانے اور سلانے وغیرہ جیسے کام خود ہی کرتے۔ بیوی اگر ناراض ہو جاتی تو 'پاگل رام' کہہ کر منالیتے۔ انھوں نے بیوی سے دھوتی دھلوانا اور دروازے پر جھاڑو لگوانا کبھی پسند نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے بیوی کو آزادانہ زندگی گزارنے کا پورا موقع دیا۔ شیورانی دیوی نے کافی کہانیاں لکھیں اور جنگ آزادی میں جیل بھی گئیں۔ سوتیلی ماں کو اپنے پاس رکھا اور سوتیلے بھائی کو قابل بنایا۔

سرکاری نوکری سے استعفیٰ دے کر آزادانہ طور سے لکھنے اور دیگر ادبی کام کرنے کی خواہش ان میں شروع سے ہی تھی۔ اپنے دوست منشی دیا نرائن نگم کے ساتھ ماہانہ اردو رسالے ''زمانہ'' کی ادارت کرنے اور اپنا پرنٹنگ پریس لگانے کا خیال کئی بار ان کے ذہن میں آیا لیکن چند وجوہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اسی درمیان مہاتما گاندھی نے غیر ملکی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک شروع کر دی۔ وہ اسی سلسلے میں 8 فروری 1921 کو گورکھپور گئے اور غازی میاں کے میدان میں تقریر کرتے ہوئے سرکاری ملازمین کو سرکاری نوکریوں سے استعفیٰ دے دینے کی تلقین کی۔ پریم چند بیمار تھے پھر بھی گھر کے سبھی لوگوں کے ساتھ مہاتما گاندھی کی تقریر سننے گئے اور ان کی تقریر سے اتنے متاثر ہوئے کہ 6 فروری 1921 کو 20 برس کی سرکاری نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔ انھوں نے اپنے مضمون ''جیون سار'' میں اس

Form Fr. 20—C. & R.

1. Name نام	Dhanpat Rai
2. Race ذات یا قومیت	Kayastha.
3. Residence جائے سکونت	Village Lamhi, P.O. Sheo Pur Benares.
4. Father's name and residence باپ کا نام و سکونت	M. Ajaib Lal, Village Lamhi P.O. Shio Pur, Benares
5. Date of birth by the Christian era as nearly as can be ascertained. تاریخ پیدائش مطابق سنہ عیسوی جہاں تک قریب تعین ہو سکے	10th August 1881.
6. Exact height by measurement از روئے پیمائش قد کی صحیح بلندی	5 feet, 4 inches.
7. Personal marks for identification علامات شناخت	
Signature of (non-gazetted) Officer دستخط ملازم	Dhanpat Rai Dhanpat Rai 12th May 1915 7.4.1920
Signature and designation of the Head of the Office or other attesting Officer. دستخط و عہدہ صاحب دفتر یا دیگر افسر تصدیق کنندہ	B.H. Com... 12.5.15.

N.B.—(The entries in this page should be renewed or re-attested at least every five years, and the signatures in lines 8 and 9 should be dated.)

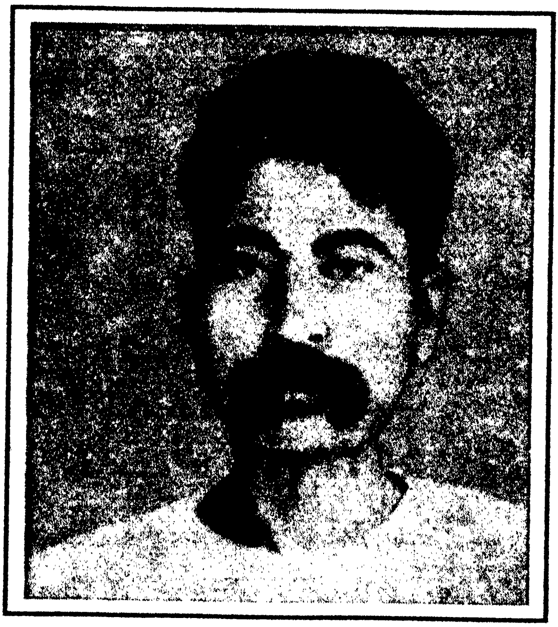
سروس بک کا پہلا صفحہ جس کے اندراجات پریم چند کی دستی تحریر میں ہیں

سلسلے میں لکھا۔ ''مہاتما جی کے دیدار کا یہ اثر تھا کہ مجھ جیسا مرا ہوا آدمی بھی بیدار ہو گیا۔ اس کے دو ہی چار دن بعد میں نے 20 سال کی نوکری سے استعفیٰ دے دیا۔''

مہاتما گاندھی کے تئیں ان کی عقیدت تاعمر قائم رہی۔ استعفیٰ دینے کے تقریباً پانچ مہینے بعد ''سوراجیہ کے فائدے'' کے عنوان سے ایک مضمون میں انھوں نے لکھا کہ مہاتما گاندھی وطن کے سچے وفادار ہیں اور انھوں نے وطن کے لیے سب کچھ ترک کر دیا۔ ایسے عظیم انسان دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ پرماتمانے انھیں بھارت کونجات دلانے کے لیے ہی پیدا کیا ہے اور اگر ہم نے ان کی ہدایتوں کو نہ مانا تو یہ ہماری بدقسمتی ہوگی۔ اس کے بعد ''ہنس'' مئی 1930 کے شمارے میں لکھا کہ مہاتما گاندھی ہندوستانی روح کی آزادی اور اس کی بیداری کے جیتے جاگتے اوتار ہیں۔ وہ بھارت کے لیے سچائی، دھرم، اصول اور زندگی کا بہترین نصب العین ہیں۔ پھر فروری 1931 کے ''ہنس'' کے شمارے میں لکھا کہ مہاتما گاندھی ملک کے ایک بہترین سپہ سالار ہیں جنھوں نے عدم تشدد اور ستیہ گرہ جیسے لاجواب ہتھیار ہمیں عطا کیے۔ جون 1931 کے شمارے میں انھوں نے کسان بھائیوں سے گزارش کرتے ہوئے لکھا کہ وہ مہاتما گاندھی کو اپنا حقیقی لیڈر مانیں اور ان کے بتائے ہوئے راستے سے ذرا بھی نہ بھٹکیں۔ غریبوں اور دلتوں کا مہاتما جی سے بڑا خیر اندیش دنیا میں دوسرا کوئی نہیں ہے۔



مہاتما گاندھی (1921)



پریم چند (1921)

شیورانی دیوی نے اپنی کتاب ''پریم چند گھر میں'' میں لکھا کہ خود کو مہاتما گاندھی کا شاگرد بتلاتے ہوئے انھوں نے کہا تھا ''میں مہاتما گاندھی کو سب سے عظیم مانتا ہوں۔ ان کا بھی مقصد یہی ہے کہ مزدور اور کاشتکار کو راحت نصیب ہو اور میں بھی اپنی تحریروں سے ان کی حوصلہ افزائی کر رہا ہوں۔ وہ ہندو مسلم یکجہتی چاہتے ہیں تو میں بھی ہندی اردو کو ملا کر ہندوستانی بنانا چاہتا ہوں۔''

سرکاری نوکری ترک کرنے کے ایک مہینے کے اندر ہی وہ کھدّر بنانے کا کاروبار بند کرکے لمہی چلے آئے۔ کانپور میں پریس اور اخبار چلانے کی اسکیم بھی پوری نہ ہو سکی۔ اب انھوں نے گورکھپور سے پنڈت دشرتھ پرساد دِویدی کی ادارت میں نکلنے والے ہفتہ وار اخبار ''سودیش'' میں لکھنا شروع کیا اور نوکری کے لیے بھی کوشش کرتے رہے۔ پنڈت گنیش شنکر ودیارتھی کی کوششوں سے انھیں کانپور کے مارواڑی اسکول میں ہیڈ ماسٹر کی نوکری مل گئی لیکن آٹھ مہینے کے اندر اندر منیجر کی بدسلوکی سے پریشان ہو کر انھیں نوکری ترک کرنی پڑی۔ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں قلم کے زور پر زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔ اسی بنا پر جب بنارس کے مشہور محب وطن شو پرساد گپت نے انھیں ماہانہ رسالے ''مریادہ'' کا مدیر بنانے کی پیشکش کی تو انھوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ اس عہدے پر بھی وہ بہت دنوں تک نہ رہ سکے۔ شو پرساد گپت نے انھیں ''مریادہ'' سے ہٹا کر کاشی ودیا پیٹھ کا

भाग ३
खण्ड १

ॐ

अंक १

वन्देमातरम्

मर्यादा

वैशाख १९७९

सम्पादक—श्रीयुत सम्पूर्णानन्द (जेलमें)

स्थानापन्न सम्पादक—श्रीयुत प्रेमचन्द

विषय-सूची ।

वार्षिक ४)
[illegible] वार्षिक ३)

प्रकाशक—
ज्ञानमण्डल, काशी ।

प्रति संख्या ।)

"مریادا" اپریل 1922 کا سرورق

ہیڈ ماسٹر مقرر کیا۔اب ان کی تنخواہ 125 روپے ماہانہ تھی۔

سرکاری نوکری سے استعفیٰ دینے کے بعد انھیں تلاش معاش کے لیے مختلف جگہوں پر بھٹکنا پڑا۔ مختلف طرح کے کام کرنے پڑے اور کئی دفعہ دماغی پریشانیوں سے بھی گزرنا پڑا۔ نوکری چھوڑنے کے بعد بیوی انھیں لمہی گاؤں لے جانا چاہتی تھی لیکن وہ گورکھپور میں ہی رہ کر کچھ کرنا چاہتے تھے۔ مہاویر پرساد پوڈار وہاں ان کے مددگار تھے اور پریم چند کو ان پر پورا اعتبار تھا۔ وہ استعفیٰ دینے کے بعد پوڈار کے گاؤں منی رام پہنچے اور ان کی مدد سے کرگھوں سے کھادی بنانے کا کاروبار شروع کیا، چونکہ کاروبار ان کی فطرت میں نہ تھا اور بیوی بھی آب و ہوا کے نام پر انھیں لمہی لے جانا چاہتی تھی، اس لیے وہ تلاش معاش کے لیے کافی عرصے تک تردّد میں مبتلا رہے۔

اس دور میں وہ گورکھپور سے ایک اردو ہفتہ وار اخبار نکالنے، پریس کھولنے، کانپور جا کر دیانرائن نگم کے ساتھ مل کر اخبار اور پریس چلانے جیسی کئی اسکیموں پر سوچتے اور لکھا پڑھی کرتے رہے۔ اس کے لیے وہ گورکھپور، بنارس، کانپور کہیں بھی رہ کر کام کر سکتے تھے لیکن تینوں جگہوں میں انھیں کانپور زیادہ پسند تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے کانپور میں رہنے والے اپنے خاص دوست نگم کو 23 فروری 1921 کو خط میں لکھا ''میں چار پانچ ہزار کا سرمایہ اور اپنا سارا وقت آپ کی نذر کرنے کو تیار ہوں بہ شرطیکہ آپ میرے معاون اور شریک ہوں۔''



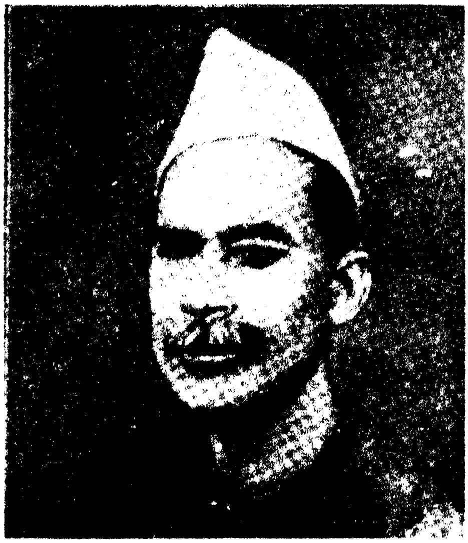
پریم چند



شیو پرساد گپت، گیان منڈل کاشی کے مالک

تلاش معاش کے لیے اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے وہ آمدنی کا ایک طے شدہ اور مستقل ذریعہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے پرنٹنگ پریس لگانے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے چھوٹے بھائی مہتاب رائے کے ساتھ مل کر پریس لگانے کی اسکیم بنی لیکن ساجھے کی شرائط پر آپسی منظوری نہ ہو پانے کی وجہ سے یہ خیال ترک کرنا پڑا۔ پھر انھوں نے اپنے چچیرے بھائی بلدیولال، چھوٹے بھائی مہتاب رائے، اپنے دوست رگھوپتی سہائے فراقؔ اور اپنی مشترکہ ملکیت میں پرنٹنگ پریس لگانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے انگلینڈ کی اُڈراف کمپنی سے پرنٹنگ مشین منگانے کے لیے ستمبر 1922 میں روپے بھیجے۔ انگلینڈ سے مشین آجانے پر اپریل 1923 کو پنڈت چھوی ناتھ پانڈے نے مشین کا چکّا گھما کر پریس کا افتتاح کیا۔ اپنے دوست منشی دیا نرائن نگم کے سُجھاؤ پر انھوں نے پریس کا نام ''سرسوتی پریس'' رکھا۔ اپنے پریس سے انھوں نے اپنی کتابیں اور ''ہنس'' اور ''جاگرن'' رسائل شائع کیے اور دیگر کئی نوجوان ادیبوں کی کتابیں شائع کیں۔

انھوں نے پرنٹنگ پریس کھول تو لیا لیکن کاروباری سمجھ بوجھ ان میں نہ تھی۔ نتیجتاً پریس میں نقصان ہونے لگا اور وہ مالی دقتوں سے پریشان ہونے لگے۔ تبھی لکھنؤ کے دلارے لال بھارگو نے اپنے دارالاشاعت ''گنگا پستک مالا دفتر'' میں ادبی مشیر کے طور کام کرنے کے لیے انھیں بلایا۔ انھوں نے اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے یہ تجویز



مہتاب رائے (پریم چند کے چھوٹے بھائی)

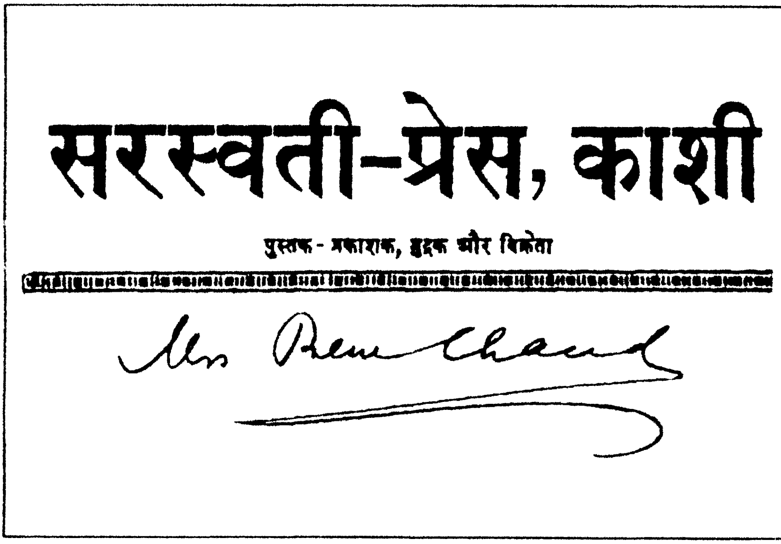


دُلارے لال بھارگو

منظور کر لی اور ستمبر 1924 میں لکھنؤ جا کر کام کرنا شروع کر دیا۔ لکھنؤ جاتے ہی انھوں نے اپنی مشہور کہانی ''شطرنج کے کھلاڑی'' لکھی جو لکھنؤ سے ہی شائع ہونے والے ہندی کے مشہور ماہانہ رسالے ''مادھوری'' کے اکتوبر 1924 کے شمارے میں شائع ہوئی۔ انھوں نے افسانے میں تاریخی واقعات کا بیان کرتے ہوئے ملک والوں کے دل میں حب وطن کا جذبہ اور غیر ملکی غلامی سے نجات پانے کی خواہش پیدا کی۔

اس وقت تک ہندی اخبارات و رسائل میں ان کے افسانوں کا مطالبہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ اب ہندی میں ہی افسانے لکھتے اور اردو میں بعد میں ان کا ترجمہ کرتے۔ اس دور میں ''پربھا''، ''مریادہ''، ''سودیش''، ''آج''، شری شاردا''، ''چاند''، ''سرسوتی'' وغیرہ ہندی اخبارات ورسائل میں ان کے افسانے عام طور پر شائع ہوتے رہے۔ انھوں نے 17 فروری 1924 کو اپنے خط میں نگم کو لکھا بھی ''ہندی رسائل اس قدر دِق کرتے ہیں کہ کچھ کیے نہیں بن پڑتا۔ اب میں کہانیاں اردو میں نہیں، ہندی ہی میں لکھ کر بھیج دیا کرتا ہوں۔'' جب انھوں نے 10 اپریل 1924 کو ''کایا کلپ'' ناول لکھنا شروع کیا تو اسے بھی ہندی میں ہی لکھا۔

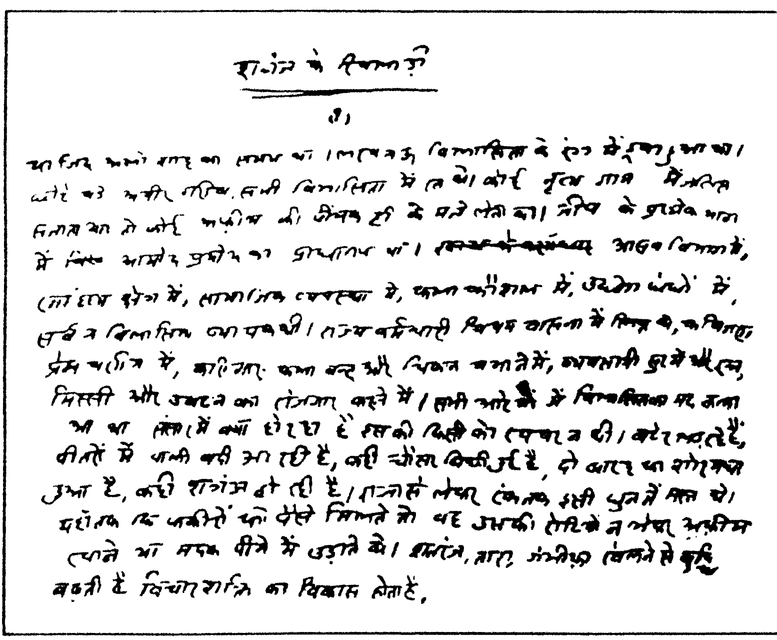
انھوں نے اپنی زندگی اور ادب دونوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب لانے کے لیے کام کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندو اور مسلمان


सरस्वती-प्रेस, काशी

पुस्तक-प्रकाशक, मुद्रक और विक्रेता

Mrs Prem Chand

سرسوتی پریس کاشی کے لفافے پر پریم چند کے ہاتھ سے انگریزی میں لکھا ہوا
مسز پریم چند


शतरंज के खिलाड़ी

(१)

वाजिद अली शाह का समय था। लखनऊ विलासिता के रंग में डूबा हुआ था। छोटे बड़े अमीर गरीब सभी विलासिता में डूबे थे। कोई नृत्य गान की मजलिस सजाता था तो कोई अफीम की पीनक ही के मजे लेता था। जीवन के प्रत्येक भाग में विलास आमोद प्रमोद का प्राधान्य था। [illegible] आदि विभागों में, साहित्य क्षेत्र में, सामाजिक व्यवस्था में, कला कौशल में, उद्योग धंधों में, सर्वत्र विलासिता व्याप्त थी। राजकर्मचारी विषय वासना में लिप्त थे, कविगण प्रेम चरित्र में, कारीगर कलाबत्तू और चिकन बनाने में, व्यवसायी सुरमे, इत्र, मिस्सी और उबटन का रोजगार करते थे। सभी आँखों में विलासिता का मद छाया हुआ था। संसार में क्या हो रहा है इसकी किसी को खबर न थी। बटेर लड़ते हैं, तीतरों में पाली बदी जा रही है, कहीं चौसर बिछी हुई है, पौ बारह का शोर मचा हुआ है, कहीं शतरंज हो रही है। राजा से लेकर रंक तक इसी धुन में मस्त थे। यहाँ तक कि फकीरों को पैसे मिलते तो वह उसकी रोटियाँ न लेकर अफीम खाते या मदक पीने में उड़ाते थे। शतरंज, ताश, गंजीफा खेलने से बुद्धि बढ़ती है विचार शक्ति का विकास होता है,

کہانی ''شطرنج کے کھلاڑی'' کے مسودے کی چند ابتدائی سطریں

اپنے اپنے مذہبی اور ثقافتی کردار کے ساتھ باہمی رواداری اور کشادہ دلی کا رویّہ اختیار کریں۔ اس کے لیے انھوں نے اردو زبان میں ہندوؤں کی زندگی سے متعلق اور ہندی میں مسلمانوں کی زندگی اور تاریخ سے متعلق افسانے، ڈرامے اور ناول لکھ کر ایک دوسرے کو قریب لانے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے نومبر 1924 میں شائع شدہ ان کا ڈرامہ ''کربلا'' بہت مشہور ہوا جس میں انھوں نے حضرت محمد ﷺ کے نواسے حضرت امام حسینؓ کی قربانی کی لافانی کہانی پیش کی۔ انھوں نے ہندی کی سنسکرت سے وابستگی اور اردو پر فارسی کے غلبے کی مخالفت کرتے ہوئے قومی ثقافت کے فروغ کے لیے ہندوستانی زبان کی حمایت کی۔ انھوں نے قومی یکجہتی کے لیے ہندو اور مسلمان دونوں ہی کی فرقہ واریت کی جم کر مخالفت کی۔ اپنے دوست چترسین شاستری کی کتاب ''اسلام کا وِش ورکش'' شائع ہونے پر انھوں نے اس کی سخت تنقید کی اور اسی طرح ڈاکٹر اقبال کے فرقہ وارانہ نظریے اور پاکستان کے روپ میں نئے مذہبی صوبے کے قیام کی مخالفت کی۔

انھوں نے ایک ادیب، صحافی اور مدیر کی حیثیت سے ہندو مسلم یکجہتی کو سوراج کے ساتھ ملا کر دیکھا۔ گاندھی جی نے بھی اس یکجہتی کو سوراج کی پہلی سیڑھی کہا تھا۔ پریم چند کا قول تھا کہ دونوں مذاہب اور ان کے ماننے والوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے لیکن مٹھی بھر تعلیم یافتہ لوگوں نے اپنے عہدوں اور ممبریوں کے لیے ساری لڑائی



پریم چند (1924)

प्रेमचंद के शब्दों में 'कर्बला' की रचना-प्रक्रिया

'इसमें कर्बला के वाक़यात पर तारीख़ी हैसियत को क़ायम रखते हुए एक ड्रामा लिखा गया है। मैंने ख़त तो हिन्दी रखा है, मगर जबान सरासर उर्दू है। XXX इसका यकीन रखिए कि मैंने एहतराम (आदर-सम्मान) को कहीं नज़र-अन्दाज़ नहीं होने दिया है। एक-एक लफ़्ज़ पर इस बात का ख़्याल रखा है कि मुसलमानों के मजहबी एहसासात (भावनाओं) को सदमा न पहुँचे। मकसद है पोलिटिकल, बाहमी एत्तहाद (आपसी एकता) को बढ़ाना, और कुछ नहीं।''

'کربلا' کے بارے میں

گھڑی کی ہوئی ہے۔ انھوں نے لکھا کہ غریبی، بیماری، ناخواندگی اور بیکاری ہندو مسلمان کا فرق نہیں کرتی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی مذہبی اور ثقافتی حیثیت کو قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی عزّت کریں اور ایک دوسرے کے ساتھ نیک نیتی اور انسانیت کا معاملہ کریں۔ ان کا ماننا تھا کہ سبھی فرقے اپنی اپنی امنگوں اور تہذیبی تشخص کے ساتھ ایک دوسرے کے لیے احترام، تحمل اور بردباری کا رویہ اختیار کرتے ہوئے قومی تعمیر میں مددگار بن سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ان پر ''مسلم پرستی'' اور بعض نے ''ہندو ادیب'' ہونے کا الزام لگایا لیکن ان کی زندگی اور ادب یہ بتاتا ہے کہ وہ قومی تہذیب اور ہندو مسلم یکجہتی اور مساوات کے لیے ساری زندگی کام کرتے رہے۔

مہاتما گاندھی کی تحریکِ آزادی اور ان کے فلسفہ، زندگی سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ انھوں نے مہاتما گاندھی کی طرح حق، انصاف اور دھرم پر چلنے والے ایک اندھے بھکاری سورداس کو اپنے کامیاب ناول ''رنگ بھومی'' (چوگانِ ہستی) کا ہیرو بنایا۔ وہ صنعت کی یلغار سے زرعی زمین اور زراعی ثقافت کی حفاظت کرتے ہوئے اور سیاسی و سماجی بے انصافی کے خلاف لڑتے ہوئے خود کو قربان کردیتا ہے۔ ''رنگ بھومی'' ان کا ایسا آخری ناول ہے جو اصلاً اردو زبان میں لکھا گیا اور بعد میں اس کا ہندی ترجمہ ہوا۔ ''سیواسدن'' اور ''پریم آشرم'' ناولوں کی

गंगा-पुस्तकमाला का बीसवाँ पुष्प

कर्बला

[धार्मिक नाटक]

लेखक

स्वर्गीय प्रेमचंद

(रंगभूमि, प्रेम-प्रसून प्रेम-द्वादशी, प्रेमाश्रम, सेवा-सदन, प्रेम-पूर्णिमा, प्रेम-पंचमी, सप्त-सरोज, नवनिधि, कर्मभूमि, गबन आदि के रचयिता)

—— :o: ——

मिलने का पता—

गंगा-ग्रंथागार

३६, गौतम बुद्ध-मार्ग

लखनऊ

चतुर्थावृत्ति

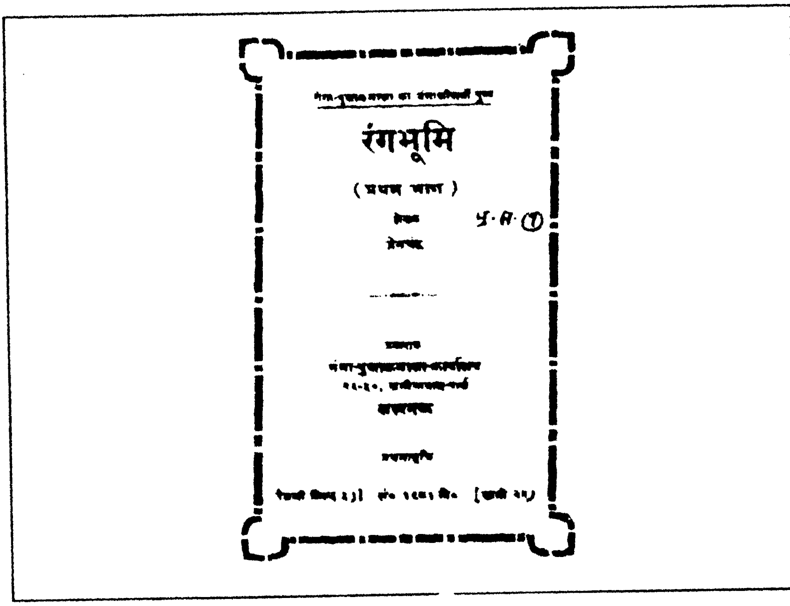
सं० २०१० वि०]

[मूल्य ४॥)

"کربلا" ڈرامے کا سرورق

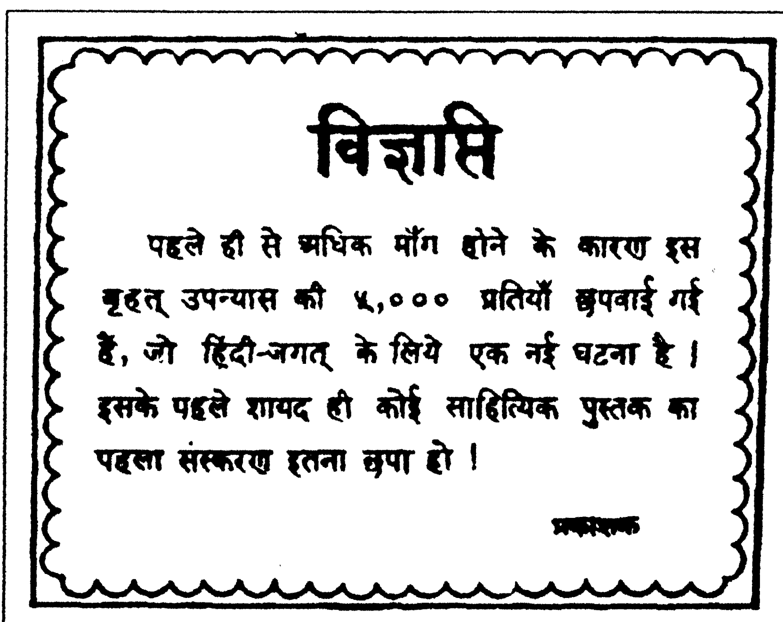
طرح ''رنگ بھومی'' بھی پہلے ہندی میں شائع ہوا۔ اس کے ہندی مسودے کی ترمیم شدہ اور پریس کاپی تیار کرنے کا کام شِو پُوجن سہائے نے کیا اور اس کی اشاعت دلارے لال بھارگو نے یکم فروری 1925 کو 'گنگا پستک مالا دفتر' لکھنؤ سے کی۔ دلارے لال بھارگو نے اس کی پانچ ہزار جلدیں شائع کیں اور رائلٹی کے طور پر 1800 روپے پیشگی ادا کیے۔

''رنگ بھومی'' ناول شائع ہونے کے بعد جب پڑھنے والوں تک پہنچا تو اس کا بہت اچھا استقبال ہوا۔ ایک تو اندھے بھکاری چمار کو ناول کا ہیرو بنانا بڑا انقلابی کام تھا، دوسرے ہندوستانی تہذیب اور طرز زندگی کی حفاظت کے لیے جان کی قربانی دینے کی وجہ سے سورداس، مہاتما گاندھی کی طرح عوام کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ اپنی 4 اپریل 1920 کی ایک تقریر میں مہاتما گاندھی نے ہندوستانی ادیبوں سے ''تلسی داس کی رامائن'' کا مطالبہ کیا تھا۔ پریم چند نے ''رنگ بھومی'' کی تخلیق کرکے گاندھی جی کی اس خواہش کو پورا کیا۔ ''رنگ بھومی'' میں رام کی جگہ پر اندھا سُور ہے جو رام کی طرح ہی دھرم، سچائی اور انصاف کی لڑائی لڑتا ہے۔ جس طرح راون نے سیتاہرن کیا تھا، اسی طرح بے دینی، نامنصفی اور حیوانیت پر مبنی انگریزی حکومت زمین اغوا کرلینا چاہتی تھی۔ سور اپنی لڑائی میں اگرچہ عدم تشدد کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن اس لڑائی میں اس کی موت، اس کی قربانی اسے عظیم کردار بنا دیتی ہے۔


रंगभूमि

(प्रथम भाग)

رنگ بھومی کے سرورق پر پریم چند کے دستخط


विज्ञप्ति

पहले ही से अधिक माँग होने के कारण इस बृहत् उपन्यास की ५,००० प्रतियाँ छपवाई गई हैं, जो हिंदी-जगत् के लिये एक नई घटना है। इसके पहले शायद ही कोई साहित्यिक पुस्तक का पहला संस्करण इतना छपा हो!

प्रकाशक

'رنگ بھومی' کی پہلی اشاعت میں ایڈیٹر کا اشتہار

پنڈت گنیش شنکر ودیارتھی نے اپنے تبصرے (پربھا 1/ مئی 1925) میں لکھا کہ سورداس کے جھونپڑے کا ستیہ گرہ قومی ستیہ گرہ ہے اور سورداس مہاتما گاندھی کی طرح دکھائی پڑتا ہے۔ جی۔پی۔شری واستو نے بھی لکھا (''چاند'' مئی/ جون 1925) کہ پانڈے پور بستی بھارت کے روپ میں دکھائی دیتی ہے اور سورداس مہاتما گاندھی کی طرح اپنی بلند خیالی اور بہترین کردار سے عوام کو بیدار کر دیتا ہے۔ ''رنگ بھومی'' کی ان خصوصیات کی وجہ سے ہی امرناتھ جھا نے 10 جون 1925 کو پریم چند کو لکھا تھا کہ ''رنگ بھومی'' جدید ہندی کی عظمت کا ایک نشان بنے گا۔

پریم چند دلارے لال بھارگو کے اشاعتی ادارے میں بھی بہت دنوں تک کام نہ کر سکے۔ انھوں نے 30/ اگست 1925 کو نوکری چھوڑ دی اور 31/ اگست کو ہی مع خاندان کے بنارس چل پڑے۔ انھوں نے بنارس میں اپنا کچھ وقت ''سرسوتی'' پریس کی دیکھ بھال اور لکھنے لکھانے میں گزار دیا لیکن پریس کے نقصان اور لکھنے سے بے ضابطہ اور ناکافی آمدنی کی وجہ سے انھیں دوبارہ نوکری کرنی پڑی۔ لکھنؤ کے مشہور ہندی پریمی اور نول کشور پریس کے منتظم وشنونرائن بھارگو نے اپنے ماہانہ رسالے ''مادھوری'' کی ادارت کے لیے انھیں مدعو کیا اور 200 روپے ماہانہ تنخواہ کی پیشکش کی۔ انھوں نے لکھنؤ پہنچ کر 15/ فروری 1927 کو ''مادھوری'' کے نائب مدیر کا عہدہ سنبھال



پریم چند (1925)



• شیو پوجن سہائے (جنھوں نے 'رنگ بھومی' کے مسودے میں ترمیم کیا)

لیا۔ انھوں نے یہ عہدہ سنبھالتے ہی جے شنکر پرساد، پنڈت پدم سنگھ شرما، سیٹھ مہادیو پرساد، شیو پوجن سہائے وغیرہ ہندی ادیبوں کو قلمی تعاون کے لیے خط لکھے۔ وہ یہاں بھی مستقل طور سے نہ رہ سکے اور 10/ جنوری 1931 کو وشنو بھارگو کا انتقال ہونے کے بعد پہلے انھیں ''مادھوری'' سے ہٹا کر بک ڈپو میں بھیجا گیا اور بعد میں ان کے مخالفین نے انھیں 9/ اکتوبر 1931 کو نوکری سے ہی ہٹوا دیا۔

''مادھوری'' کے جنوری 1928 کے شمارے میں ان کی کہانی ''موٹے رام جی شاستری'' چھپی تو لکھنؤ کے مشہور وید پنڈت سالگرام شاستری نے اپنے کچھ دوستوں کے کہنے سے یہ سمجھ لیا کہ موٹے رام کی شکل میں انھیں پیش کر کے ان کی توہین کی گئی ہے۔ انھوں نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور لکھنؤ کے ضلع مجسٹریٹ کی عدالت میں پریم چند اور ''مادھوری'' کے دوسرے مدیر پنڈت کرشن بہاری مصر پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ پریم چند اور پنڈت کرشن بہاری مصر نے 12/ اپریل 1928 کو عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ کہانی پنڈت سالگرام شاستری پر نہیں لکھی گئی ہے اور نہ ان کی بے عزتی کرنا ہمارا مقصد رہا ہے۔ پنڈت سالگرام شاستری نے بھی یہ قبول کر لیا کہ کہانی ان پر نہیں لکھی گئی ہے اور عدالت نے ان کا دعویٰ خارج کر دیا۔ پریم چند نے پھر یہی کہانی ''مادھوری'' کے مئی 1928 کے شمارے میں چھاپی اور شروع میں لکھا کہ پنڈت سالگرام شاستری کو یہ



وشنو نرائن بھارگو



'مادھوری' کا ایڈیٹوریل رول اور پریم چند

اعتبار ہو گیا ہے کہ یہ کہانی ان پر نہیں لکھی گئی ہے۔ اس ساری ہندی دنیا کو اس حقیقت کا علم ہو گیا۔

دراصل موٹے رام شاستری ان کا نیا تصور نہیں تھا۔ سب سے پہلے انھوں نے 1912 میں شائع شدہ اردو ناول ''جلوۂ ایثار'' (ہندی میں ''وردان'') میں موٹے رام شاستری نام کے کردار کی تخلیق کی۔ ''پک وِک پیپرس'' پڑھ کر انھیں مزاحیہ کردار کی ضرورت محسوس ہوئی اور وہ اس کردار کا استعمال ہنسی مذاق کے لیے ''مشیہ کا پرم دھرم''، ''نمستر ن''، ''گورو منتر''، ''ستیاگرہ'' وغیرہ کہانیوں اور ''نرملا'' ناول میں برابر کرتے رہے۔

ان کی ادبی شہرت اور ان کی عظمت سے جہاں کچھ لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے، وہاں دوسری طرف ان کے ہزاروں قارئین مدّاحین اور پیروکار بھی تھے۔ 1928 کا ہی سال تھا جب ان کے ادب کو پسند کرنے والوں نے ہندوستان کی دیگر زبانوں اور بیرونی زبانوں کے پڑھنے والوں تک ان کے ادب کو پہنچانے کا کام خاص طور سے شروع کیا۔ مراٹھی مصنف آنند راؤ جوشی نے جنوری 1928 میں مراٹھی میں ترجمہ کرنے کے لیے ان سے اپنی بہترین کہانیوں کی فہرست مانگی۔ باندا کے جگموہن ہری لال پارکھ نے 2 جولائی 1928 کو ''نرملا'' ناول کا گجراتی میں ترجمہ کرنے کی اجازت مانگی۔ اُدھر جاپان میں رہنے والے ہندوستانی کیشو رام سبر وال نے ان کی



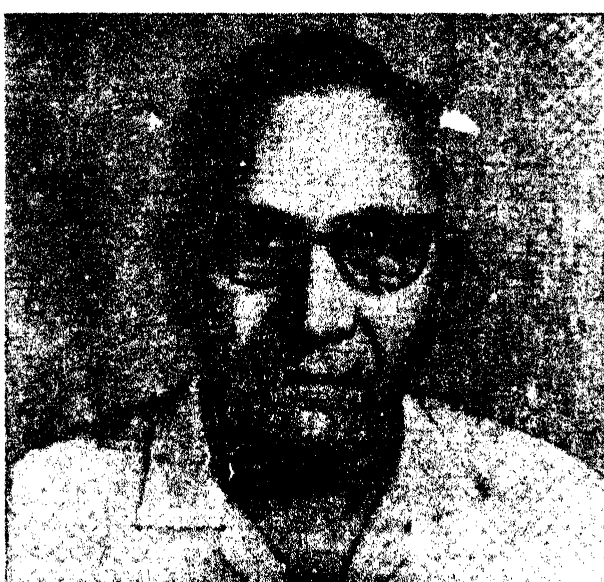
پنڈت سالگرام شاستری جنھوں نے پریم چند پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر کیا

کہانیوں کا جاپانی زبان میں ترجمہ کرنے کا کام شروع کیا اور جاپان کے مشہور رسالے ''کیزو'' کے جون 1928 کے شمارے میں ان کی کہانی ''مکتی مارگ'' ''سیڈو نویچی'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اسی سال جرمنی کی برلن یونیورسٹی کے ہندی پروفیسر تارا چند رائے نے بھی ان کی کہانیوں اور ناولوں کا جرمنی میں ترجمہ کرنے کے لیے رابطہ قائم کیا۔ ادھر ہندوستان کے انگریزی ماہانہ رسالے ''ماڈرن ریویو'' کے جون 1928 کے شمارے میں پنڈت بناری داس چترویدی کی انگریزی میں ترجمہ کردہ کہانی ''ایکٹریس'' سی۔ایف۔ اینڈروز کی نظرثانی کے بعد شائع ہوئی

دراصل یہ وہ دور تھا جب ہندی کے ممتاز عالم یہ ماننے لگے تھے کہ پریم چند کی تخلیقات کا بیرونی زبانوں میں ترجمہ کر کے ہندی کی پیشانی اونچی کی جا سکتی ہے۔ پنڈت بناری داس چترویدی نے 28 مئی 1928 کے خط میں اپنی دلی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ''میں اسی دن کا خواب دیکھ رہا ہوں جب کسی ہندی افسانہ نگار کے افسانوں کا ترجمہ رشین، جرمن، فرنچ وغیرہ زبانوں میں ہوگا۔ اگر آپ ہی کو یہ عظمت حاصل ہو تب تو بات ہی کیا ہے۔ آپ کے لیے احترام اس لیے ہے کہ آپ دوسری زبانوں کو کچھ دے کر ہندی کی پیشانی اونچی کر سکتے ہیں۔ بنگلا وغیرہ سے دان لیتے لیتے ہماری عظمت نہیں بڑھ رہی ہے۔'' چترویدی جی نے خود اس کے لیے کوشش کی اور



پریم چند (1929)

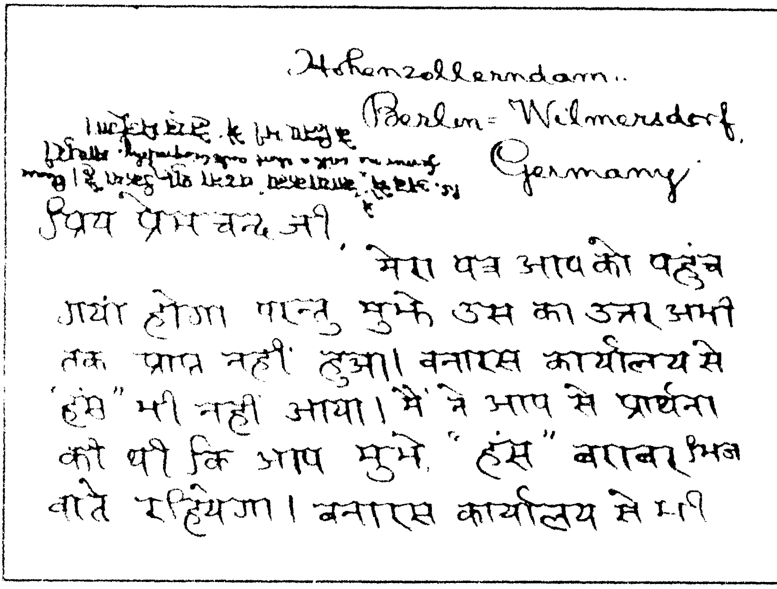


کیشو رام سبروال (جاپانی مترجم)

برلن یونیورسٹی کے ہندی پروفیسر تارا چند رائے کو پریم چند کی کہانیوں کا جرمن زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے کہا۔ ادھر پریم چند کو پروفیسر رائے کا تعارف دیتے ہوئے انھیں اپنی سبھی کتابیں اور سوانح عمری بھیجنے کی گزارش کی۔

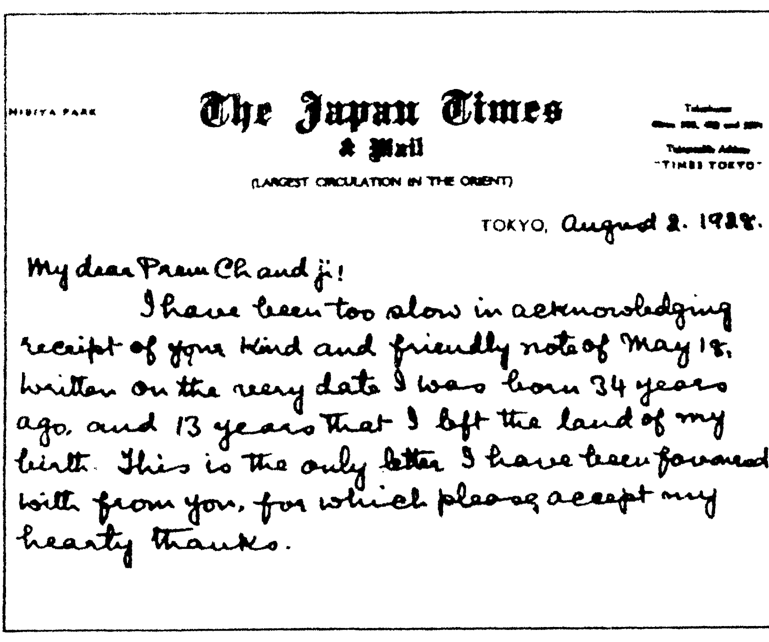
اس طرح ان کے پڑھنے والوں اور دوستوں نے ان کی زندگی میں ہی ان کی تخلیقات کا ہندوستانی اور بیرونی زبانوں میں ترجمہ کر کے انھیں مُلک اور بیرونِ ملک کے پڑھنے والوں تک پہنچایا۔ ہندوستانی زبانوں میں سب سے زیادہ ترجمہ مراٹھی میں ہوا۔ پھر گجراتی، تمل، تیلگو وغیرہ زبانوں میں۔ بیرونی زبانوں میں انگریزی، جاپانی، جرمنی وغیرہ زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

وہ لکھنؤ میں رہتے ہوئے ''مادھوری'' کی ادارت کر رہے تھے لیکن اپنا رسالہ نکالنے کے لیے بے قرار تھے۔ ان کا دل انگریزوں کی غلامی سے غم زدہ تھا اور وہ مہاتما گاندھی کی پُرامن جنگِ آزادی میں اپنی طرف سے تھوڑا بہت اشتراک کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے نومبر، دسمبر 1928 میں ہندی میں اپنا ماہانہ رسالہ نکالنے کا حتمی فیصلہ کیا اور اپنے دوست جے شنکر پرساد کی صلاح پر ''ہنس'' اس کا نام رکھا۔ ''ہنس'' کا پہلا شمارہ 10/مارچ 1930 کو شائع ہوا۔ انھوں نے اپنے پہلے اداریے میں لکھا ''جب شری رام چندر جی سمندر پر پل باندھ رہے تھے، اس وقت چھوٹے چھوٹے جانوروں پرندوں نے مٹی لا لا کر


Hohenzollerndamm..
Berlin-Wilmersdorf.
Germany

प्रिय प्रेमचन्द जी,
मेरा पत्र आप को पहुंच गया होगा परन्तु मुझे उस का उत्तर अभी तक प्राप्त नहीं हुआ। बनारस कार्यालय से 'हंस' भी नहीं आया। मैं ने आप से प्रार्थना की थी कि आप मुझे "हंस" बराबर भेजते रहियेगा। बनारस कार्यालय से भी

پروفیسر تاراچند رائے کا جرمنی سے لکھا خط


HIBIYA PARK

The Japan Times & Mail

(LARGEST CIRCULATION IN THE ORIENT)

Telegraphic Address "TIMES TOKYO"

TOKYO, August 2. 1928.

My dear Prem Chand ji!

I have been too slow in acknowledging receipt of your kind and friendly note of May 18, written on the very date I was born 34 years ago, and 13 years that I left the land of my birth. This is the only letter I have been favoured with from you, for which please accept my hearty thanks.

کیشو رام سبروال کا جاپان سے لکھا خط

سمندر کے پاٹنے میں ان کی مدد کی تھی۔ اس وقت ملک میں اس سے کہیں بڑی جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ بھارت نے پُرامن جنگ کی بھیری بجا دی ہے۔ ''ہنس'' بھی مانسرودر کا امن چھوڑ کر، اپنی چھوٹی سی چونچ میں چٹکی بھر مٹی لیے سمندر پاٹنے، آزادی کی جنگ میں شریک ہونے چلا ہے۔ سمندر کی وسعت دیکھ کر اس کی ہمت چھوٹ رہی ہے لیکن قوت یکجہتی نے اس کا دل مضبوط کر دیا ہے۔'' انھوں نے ''ہنس'' کے کئی خاص نمبر نکالے، جن میں آتم کتھا انک، کاشی انک، اچاریہ دِویدی ابھینندن انک، سودیشی انک وغیرہ کو پڑھنے والوں نے خاص طور سے پسند کیا۔

ان کی بیوی شیورانی دیوی صحیح معنی میں بیوی تھیں۔ وہ گھر کا سارا بوجھ اٹھاتیں اور کبھی کبھی لکھنے کا کام کرتے ہوئے سیاسی اور سماجی کاموں میں حصہ لیتیں۔ وہ اپنے خاوند کی طرح کانگریس پارٹی کی رکن تھیں اور مہاتما گاندھی کی قیادت میں لڑی جانے والی غیرمتشددانہ جنگ آزادی کی مہم میں عملی طور سے حصہ لیتی تھیں۔ لکھنؤ میں جب ''مہلا آشرم'' کی بنیاد پڑی تو وہ اس کی مجلس عاملہ کی رکن منتخب کی گئیں۔ انھوں نے بیرونی کپڑا بیچنے والی دکانوں پر گیارہ والینٹرز کے ساتھ پکٹنگ کی اور قید ہوئیں۔ پریم چند دوسرے دن بنارس سے لوٹے تو بیوی کے جیل جانے کی خبر ملی۔ وہ فوراً جیل میں بیوی سے ملے۔ شیورانی دیوی پر مقدمہ چلا اور انھیں ڈیڑھ ماہ قید کی سزا ہوئی۔



'ہنس' کے پہلے شمارے کا سرورق

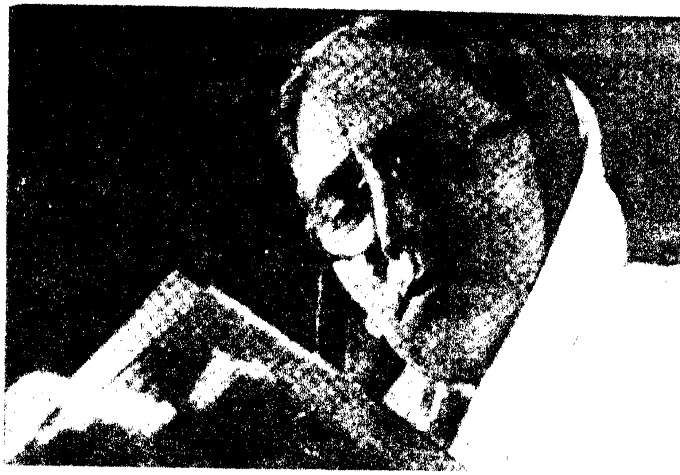


پریم چند (1930)

پریم چند کی نظر میں اب ان کی بیوی ان سے ہزار گنا اوپر اٹھ گئی تھیں اور وہ خود اپنی ہی نظر میں چھوٹے ہو گئے تھے۔

شیورانی دیوی کا سوراجیہ کے لیے یہ عملی جوش کافی دنوں تک برقرار رہا۔ پریم چند نے 12 جنوری 1931 کو جینندر کو خط میں لکھا ''بیوی جی تو آگئیں، شاید پھر جائیں۔ ابھی انھیں سکون نہیں۔ سارا سوراجیہ ایک بار ہی لے لیں گی۔ قسطوں میں نہیں چاہتیں''۔ بیوی کی اس حب الوطنی سے انھیں قوت تو ملی لیکن وہ خود جیل نہیں گئے۔

وہ شروع ہی سے مطالعے کے عادی تھے۔ وہ انگریزی، اردو، فارسی اور ہندی زبانیں جانتے تھے اور ان زبانوں میں جو بھی ادب دستیاب ہو جاتا، وہ اسے فوراً پڑھ لینا چاہتے تھے۔ اردو اور ہندی زبانوں سے وہ ملک کے ہزاروں مصنفین کی تخلیقات سے اور انگریزی زبان کے ذریعے بیرونی ادب سے متعارف ہوئے۔ انھوں نے انگریزی ادب کے علاوہ روسی، فرانسیسی، جرمن، امریکن ادب بھی انگریزی زبان کے ذریعے ہی پڑھا۔ وہ ٹالسٹائے، گورکی، ٹیگرن، ترگنیف، ڈکنس، ٹھیکرے، اناتولے فرانس، روماں رولا، موپاساں، گالسوردی، برناڈشا، میٹر لنک وغیرہ مصنفین کے مدّاح رہے۔ انھوں نے ایک دفعہ ٹالسٹائے سے اپنے متاثر ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے ''انا کیرینینا'' کے ہندی ترجمے کا دیباچہ لکھا۔ ناول پڑھ کر تو وہ رو پڑے۔ 18 جون 1936 کو میکسم گورکی کی وفات سے بھی وہ بہت



شیورانی دیوی



شیورانی دیوی اپنی پڑپوتی کے ساتھ

دُکھی ہوئے۔ بیماری کی وجہ سے کمزور ہونے پر بھی [illegible] نے ''آج'' کے دفتر میں منعقدہ گورکی کے تعزیتی جلسے میں پڑھنے کے لیے اپنا خطبہ لکھا اور اس میں شریک ہوئے۔ گورکی کو وہ بہت بڑا ادیب تسلیم کرتے تھے اور کافی دنوں تک بیوی سے گورکی کی عظمت پر گفتگو کرتے رہے۔

انھوں نے طبع زاد ادب کی تخلیق کے علاوہ ملک اور بیرونِ ملک کے چند اہم ادیبوں کی تخلیقات کا ہندی میں ترجمہ بھی کیا۔ جارج الیٹ کی کتاب ''سائلس مارنر'' کا ہندی ترجمہ ''سکھ داس'' کے عنوان سے اگست 1920 میں شائع ہوا۔ اناتولے فرانس کے ڈرامے ''تھائس'' کا ہندی ترجمہ ''اہنکار'' کے عنوان سے اکتوبر 1923 میں چھپا۔ انھوں نے ٹالسٹائے کی کہانیوں کا بھی ترجمہ کیا جو دسمبر 1923 میں ''ٹالسٹائے کی کہانیاں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ''فسانۂ آزاد'' کا ہندی ترجمہ ''آزاد کتھا'' اگست 1925 میں شائع ہوا۔ جان گالسوردی کے تین انگریزی ڈراموں ''جسٹس''، ''دی سلور باکس'' اور ''اسٹرائک'' کے ہندی ترجمے ''نیائے''، ''چاندی کی ڈبیا'' اور ''ہڑتال'' کے عنوان سے 1930 میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے شائع ہوئے۔ انھوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کے اپنی بیٹی اندرا گاندھی کے نام لکھے انگریزی خطوط کا ہندی ترجمہ بھی کیا جو ''پتا کے پتر پُتری کے نام'' کے عنوان سے کتاب کی شکل میں جولائی



جواہر لال نہرو، کملا نہرو اور دوسروں کے ساتھ پریم چند



میکسم گورکی

1931 میں شائع ہوا۔ انھوں نے میٹرلنک اور برناڈ شا کے ڈراموں کا بھی اردو اور ہندی میں ترجمہ کیا۔

ان کا خیال تھا کہ دوسری زبانوں سے انھی تخلیقات کا ترجمہ ہو جو ادبی افق کو وسیع کرنے والی ہوں۔ ساتھ ہی انھوں نے صرف مفہوم اخذ کر لینے اور ترجمے کو اپنے قومی مزاج کے مطابق ڈھال دینے کی مخالفت کی حالانکہ وہ خود ٹالسٹائے، جارج الیٹ، وغیرہ کا ترجمہ کرتے وقت ان کمزوریوں سے بچ نہ سکے۔

انھوں نے ہمیشہ سماج کے پریشان، غمزدہ، پامال اور غریب لوگوں کا ساتھ دیا۔ وہ حقیقتاً غریبوں اور غمزدہ لوگوں کے مسیحا تھے۔ ان کی نظر میں ادیب کا یہ اہم فرض ہے کہ وہ دلتوں اور محروموں کی حمایت اور وکالت کرے چاہے وہ کوئی فرد ہو یا گروہ۔ انھوں نے سب سے پہلے ''زمانہ'' مارچ 1911 میں شائع شدہ اپنی کہانی ''دونوں طرف سے'' میں اچھوت ذاتوں کی مالی اور معاشرتی ترقی کی طرف بڑھنے والوں کا ذہن مبذول کیا۔ مہاتما گاندھی کی اچھوت ادھار اور خلافت کی تحریکوں سے انھیں خاص طور سے قوت ملی اور انھوں نے ''ٹھاکر کا کنواں''، ''سدگتی''، ''مندر''، ''دودھ کا دام''، ''گھاس والی''، ''سوبھاگیہ کے کوڑے''، ''جرمانہ'' جیسی کہانیاں لکھیں۔ انھوں نے ''پوس کی رات''، ''کفن''، ''مکتی دھن''، ''اگنی سمادھی''، ''سواسیر گیہوں'' وغیرہ کہانیوں میں غم زدوں اور مصیبت زدوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں

हिन्दी पुस्तक एजेन्सी-माला—२६

टाल्स्टायकी कहानियां

लेखक—

काउन्ट टाल्स्टाय

सम्पादक—

श्रीयुक्त प्रेमचन्द

प्रकाशक—

हिन्दी पुस्तक एजेन्सी
१२६, हरिसन रोड, कलकत्ता

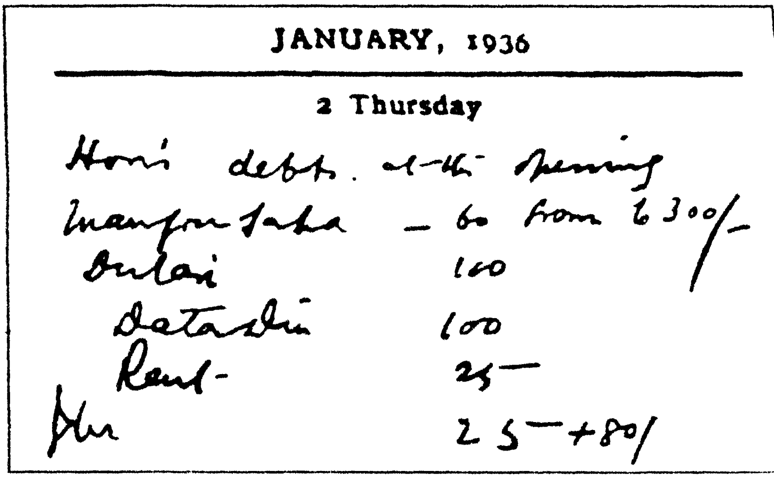
प्रथम बार] १९८० [मूल्य १)

"ٹالسٹائے کی کہانیاں" کا سرورق

کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے ستمبر 1932 میں شائع ہونے والے اپنے ناول ''کرم بھومی'' میں غریب اور مصیبت زدہ عوام کی معاشرتی، مالی اور سیاسی غلامی و پامالی کے خلاف لڑے جانے والی جنگِ آزادی کی داستان پیش کی ہے۔ شہر اور گاؤں کے غریب، مزدوروں اور کسانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی مخالفت کرتے ہیں اور آخر میں کامیاب ہوتے ہیں۔

ان کی ہمدردیاں صرف مزدوروں اور کسانوں کے لیے ہی نہیں تھیں بلکہ انھوں نے قدیم زمانے سے پریشاں حال اور مظلوم عورت کی حمایت میں بھی آواز اٹھائی۔ اس کے پیشِ نظر انھوں نے اپنے کئی ناولوں اور افسانوں میں عورتوں میں بیداری لانے اور انھیں تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی وکالت کی۔ پھر بھی کسانوں کے لیے ان کے دل میں خاص درد اور بے چینی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ان کی زندگی پر ''گئودان'' جیسی بہترین کتاب لکھ سکے۔

''گئودان'' ان کا شاہکار ناول ہے۔ انھوں نے ہوری رام جیسے چھوٹے کسان کو کردار بنا کر اور کہانی میں حقیقت کو پیش کر کے ہندی ناول میں ایک بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ انھوں نے یہ ناول ہندی زبان میں لکھا لیکن دیگر ناولوں کی طرح اس کا ابتدائی خاکہ انگریزی زبان میں ہی بنایا۔ انھوں نے ''گئودان'' کے دو خاکے تیار کیے۔ دوسرے خاکے میں انھوں نے کئی تبدیلیاں کیں اور پہلے خاکے سے



JANUARY, 1936

2 Thursday

Hori's debts at the opening
Mangru Sahu — 60 from 6300/-
Dulari 100
Datadin 100
Rent 25—
Jhi 25—+80/

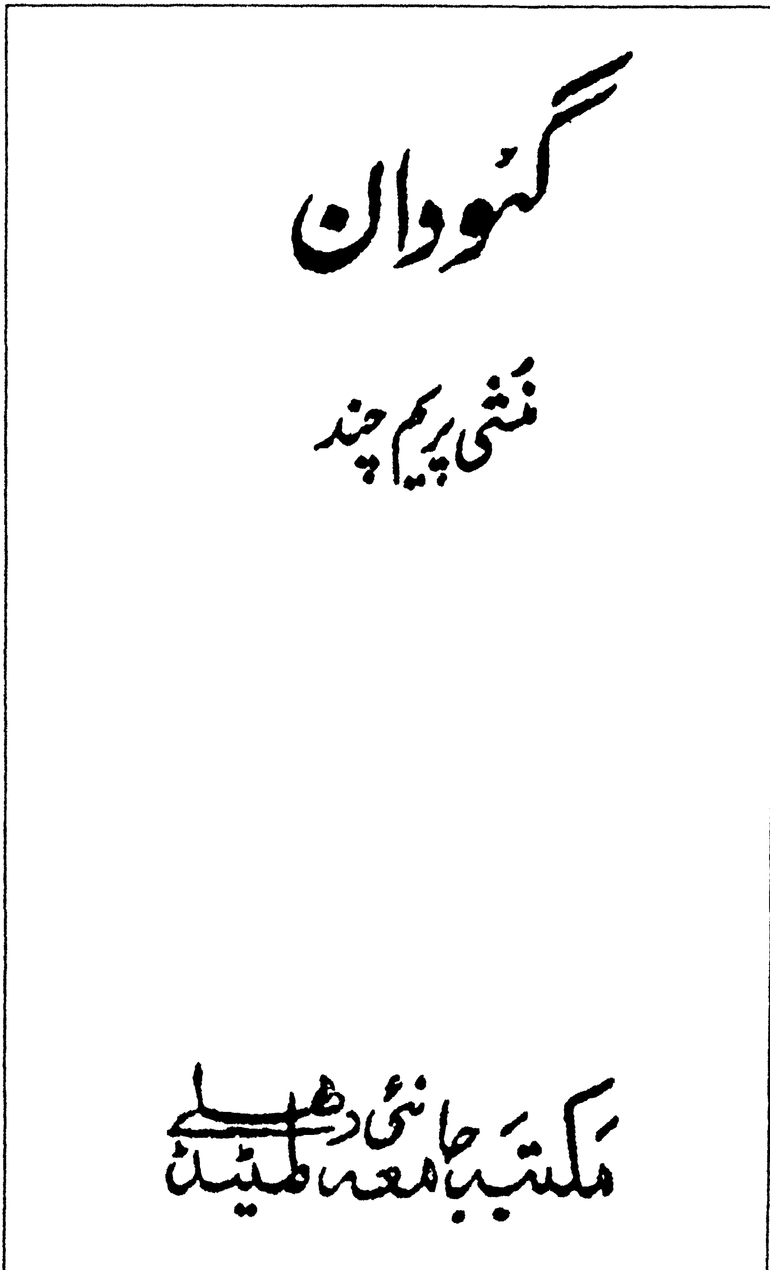
1936 کی ڈائری کے ایک صفحے پر پریم چند کے قلم سے ''گؤدان'' کے ہیرو ہوری کے قرض کا حساب



پریم چند (1933)

کچھ مختلف کہانی کی تخلیق کی۔ یہ ناول لکھنے میں انھیں تقریباً تین سال لگے اور 11/مارچ 1936 کو اس کا مسودہ پریس میں چھپنے کے لیے گیا۔ ان کی 1936 کی ڈائری سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ''گئودان'' کے پروف خود دیکھے۔ اس کا پہلا اشتہار ''ہنس'' کے اپریل 1936 کے شمارے میں چھپا اور ناول10/جون 1936 کو چھپ کر بازار میں بکنے کے لیے چلا گیا۔ ناقدین کے خیال میں ''گئودان'' ان کی 'ماسٹر پیس' تخلیق ہے اور وہ ہندوستان کی دیہی ثقافت کے خاتمے کا قصہ پیش کرنے کی وجہ سے ہمیشہ یاد کی جائے گی۔

ماہانہ رسالے ''ہنس'' کی اشاعت سے ہزاروں روپے کا نقصان اٹھانے پر بھی وہ اپنا ہفتہ وار اخبار نکالنا چاہتے تھے۔ ونود شنکر دیاس ''جاگرن'' کے دو شمارے نکالنے کے بعد جب اسے مالی نقصان کی وجہ سے بند کرنے لگے تو انھیں ایک بار پھر ہفتہ وار اخبار نکالنے کا خیال آیا اور انھوں نے ونود شنکر دیاس سے ''جاگرن'' لے لیا۔ 22/ اگست 1932 کو ان کی ادارت میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ اس کے پہلے صفحے پر رتھ پر سوار بھگوان کرشن اور ارجن کی تصویر اور جے شنکر پرساد کی نظم ''من برندابن بن جانے دو'' شائع ہوئی۔ ''جاگرن'' کی اشاعت سے بھی انھیں مالی نقصان اٹھانا پڑا اور 21ماہ کے بعد ہی اسے بند کرنا پڑا۔ اس کا آخری شمارہ 21/مئی 1934 کو شائع ہوا اور


گئودان

منشی پریم چند

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

"گئودان" کے سرورق کا عکس

''جاگرن کی سمادھی'' کے عنوان سے انھوں نے اپنے اداریے میں لکھا ''تقریباً پونے دو سال تک ملک کی بھلی بری خدمت کرنے کے بعد 'جاگرن' اب اتنے دنوں کے لیے سمادھی لے رہا ہے، جب تک وہ اس قابل نہ ہو جائے کہ اس سے اچھے طور سے پڑھنے والوں کی خدمت کر سکے۔''

''جاگرن'' سے تقریباً چار ہزار روپے کا نقصان اٹھانے کے بعد بھی وہ ''ہنس'' برابر نکالتے رہے، جب کہ وہ اس کے مالی تناؤ سے پریشان تھے۔ وہ ''ہنس'' کے لیے کسی خاص مقصد کی تلاش میں تھے کہ کچھ دنوں بعد ایک ایسا موقع آ ہی گیا۔

مہاتما گاندھی کی ترغیب اور گجراتی زبان کے مصنف کنھیّالال منشی کی متواتر کوششوں سے ہندی میں بین صوبائی ادب کی اشاعت، مصنفین کے آپسی تعارف اور میل جول کے لیے ''بھارتی ساہتیہ پریشد'' کا قیام عمل میں آیا۔ منشی نے پریم چند کو پوری اسکیم بھیجی اور ''ہنس'' کو ''بھارتی ساہتیہ پریشد'' کا ترجمان بنانے کی تجویز پیش کی۔ پریم چند خود ''ہنس'' کے کالموں میں قومی تہذیب، ادب اور فن کی دقّتوں پر بحث و تمحیص کے لیے ایک ''اکھل بھارتی ساہتیہ پریشد'' قائم کرنے کی تجویز پیش کر چکے تھے، اس لیے انھوں نے منشی کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیا اور 1/جولائی 1935 کو ممبئی پہنچ کر ''ہنس لمیٹیڈ'' کی رجسٹری کرائی۔ وہ اور منشی ''ہنس'' کے بے تنخواہ ایڈیٹر بنے



کنہیا لال مانک لال منشی

महात्मा गांधी क्या कहते हैं ?

“ ‘हंस’ हिन्दुस्तान-भर में अनोखा प्रयत्न है । यदि हिन्दी अथवा हिन्दुस्तानी को राष्ट्र-भाषा बनना है, तो ऐसे मासिक की आवश्यकता है । प्रत्येक प्रांत की भाषा में जो लेख लिखे जाते हैं, उसका परिचय राष्ट्र-भाषा-द्वारा सबको मिलना चाहिए । बहुत खुशी की बात है कि अब ऐसा परिचय दिलचाहे उनको हंस-द्वारा प्रतिमास आधे रुपये में मिल सकेगा । ”

''ہنس'' میں شائع شدہ مہاتما گاندھی کا بیان

اور ''بھارتی ساہتیہ پریشد'' کے ترجمان کے طور پر اکتوبر 1935 میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ اس طور پر ''ہنس'' کے دس شمارے نکلے اور بھارت کی تقریباً سبھی زبانوں کے اہم مصنفین کی تخلیقات کے ہندی ترجمے اس میں شائع ہوئے۔ ''ہنس'' کے جولائی 1936 کے شمارے میں شائع ہونے والے سیٹھ گووند داس کے ڈرامے ''وچار سواتنتریہ'' پر حکومت نے ایک ہزار روپے کی ضمانت مانگ لی۔ مہاتما گاندھی ضمانت دے کر ''ہنس'' کو شائع کرنے کے لیے راضی نہ ہوئے اور پریشد کے ترجمان کے طور پر اس کی اشاعت موقوف ہو گئی۔

ان کے ادبی کارناموں کی شہرت ملک کے فلم بنانے والوں تک بھی پہنچی اور مختلف فلم سازوں نے انھیں خطوط لکھے۔ مہالکشمی سینے ٹون، ممبئی کے کرتادھرتا نانو بھائی وکیل نے ان کے مشہور ناول ''سیواسدن'' (اردو میں ''بازارِ حسن'') پر فلم بنانے کی پیش کش کی۔ انھوں نے اسے قبول کرتے ہوئے 750 روپے میں ''سیواسدن'' پر فلم بنانے کا اختیار کمپنی کو دے دیا۔ وہ فلم کے افتتاح کے موقع پر ممبئی گئے اور 5/ فروری 1934 کو ان کی موجودگی میں فلم کا افتتاح ہوا۔ انھوں نے اسی موقع پر ایک تقریر لکھ کر دی جو فلم کی شروعات میں جوڑ دی گئی۔ رشبھ چرن جین کے زیرِادارت نکلنے والے فلمی رسالے ''چترپٹ'' نے 9/ فروری 1934 کے شمارے میں پریم چند کے ایک ہفتے کے ممبئی کے دورے اور ''سیواسدن'' پر فلم بنائے جانے کی خبر

जागरण

सम्पादक—प्रेमचन्द

वर्ष १ | काशी, सि० भाद्र कृष्ण ६ सोमवार सं० १९८९ वि० : ता० २२ अगस्त सन् १९३२ ई० | अंक १



वृन्दावन बन जाने दो

[illegible]

जयशंकर 'प्रसाद'

एजेन्टों की सब जगह आवश्यकता है। नियम दूसरे पृष्ठ पर देखिए।

वार्षिक मूल्य १।।) — एक अंक का एक आना

[illegible]

[illegible]

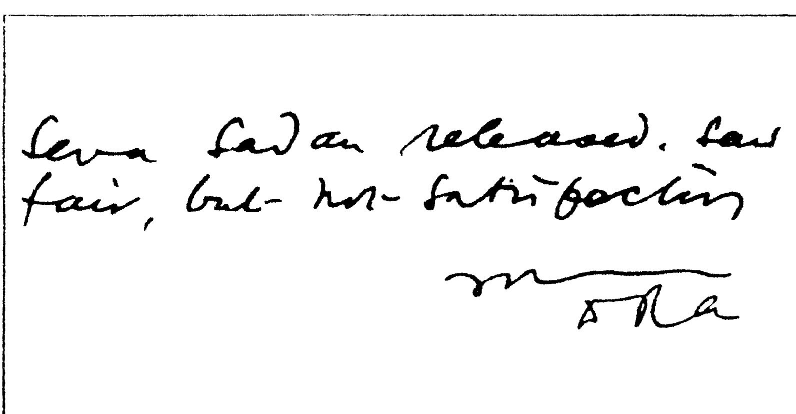
جاگرن" کے پہلے شمارے کا سرورق"

شائع کی۔ وہ جب نوکری کرنے کے لیے ممبئی گئے، تو فلم دیکھ کر انھوں نے اپنے بڑے بیٹے شری پت رائے کو 28/ جون 1934 کو لکھا ''سیواسدن دیکھی لیکن اطمینان بخش نہیں''۔

اب کئی فلم بنانے والے انھیں کہانی/ مکالمے لکھنے کے لیے اپنے یہاں کام کرنے کی پیش کش کرنے لگے۔ ممبئی کی اجنتا سنے ٹون لمیٹیڈ کے ڈائرکٹر ایم۔ بھوانی نے آٹھ ہزارروپے سالانہ کے معاہدے پر کام کرنے کے لیے انھیں مدعو کیا۔ وہ ''ہنس'' اور ''جاگرن'' میں متواتر نقصان اٹھا رہے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی مالی مشکلات کو کم کرنے کے لیے یہ پیش کش قبول کرلی اور 31/مئی 1934 کو ممبئی پہنچ گئے۔ یکم جون سے اپنے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کی پہلی کہانی پر ''مل کا مزدور'' نامی فلم بنی جو نومبر 1934 کو لاہور میں دکھائی گئی۔ اسے سینسر نے ممبئی میں دکھانے کی اجازت نہیں دی۔ انھوں نے کچھ لمحوں کے لیے اس فلم میں اداکاری بھی کی۔ یہ فلم کمپنی مالی نقصانات کی وجہ سے کچھ ماہ بعد بند ہوگئی اور پریم چند 3/ اپریل 1935 کو ممبئی چھوڑ کر بنارس کے لیے روانہ ہوگئے۔ فلمی زندگی کے اپنے تجربے کی روشنی میں انھوں نے فلم سازی کو 'انڈسٹری' سمجھنے، پاکیزہ جذبات کو 'ایکسپلائٹ' کرنے اور بد اخلاقی کو دلچسپی ماننے کی بنا پر فلم سازوں پر تنقید کی۔ ان کا کہنا تھا آزادانہ لکھنے کے کام میں چاہے دولت نہ ہو مگر سکون ضرور ہے۔



''سیواسدن'' فلم کی ہیروئن زبیدہ بانو



Seva Sadan released. Saw
fair, but not satisfactory

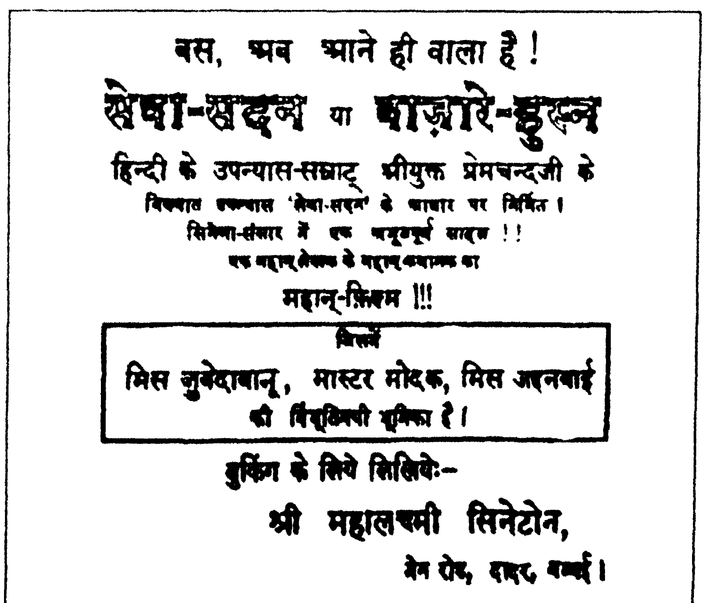
''سیواسدن'' فلم پر پریم چند کی منظوری

انھیں مالی اعتبار سے بھی اس نوکری سے کوئی بڑا فائدہ نہیں ہوا۔ جلینندر کو انھوں نے 7 مئی 1935 کے خط میں لکھا ''ممبئی سے کیا لایا؟ صرف 6300 روپے ملے۔ اس میں 1500 روپے لڑکوں نے لیے، 400 روپے لڑکی نے، 500 روپے پریس نے۔ دس مہینے میں ممبئی کا خرچ بڑی کفایت سے بھی 2500 روپے سے کم نہ ہو سکا۔ اس طرح یہ کوشش بھی دماغی الجھنوں سے نجات نہ دلا سکی''۔

انھوں نے طے شدہ آمدنی کے لیے سرسوتی پریس شروع کیا تھا لیکن تلاش معاش کے چکر میں ادھر ادھر بھٹکنے کی وجہ سے وہ پریس کی دیکھ ریکھ نہیں کر پاتے تھے۔ اس بنا پر انھوں نے پریس کا کام چلانے کے لیے پرواسی لال ورما 'مالوی' کو رکھا۔ پرواسی لال ورما نے پریس کا کام سنبھالا اور جب ''ہنس'' اور ''جاگرن'' رسائل کی اشاعت شروع ہوئی تو ان کی تیاری اور چھپائی کا کام بھی وہی کرتے رہے۔ پریم چند اجنتا سنے ٹون میں کام کرنے کے لیے ممبئی چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے تین ماہ کے بعد 4/ستمبر 1934 کو بنارس پریس کرمچاری سنگھ کی ترغیب سے سرسوتی پریس کے ملازمین نے تین ماہ سے تنخواہ نہ ملنے اور پریس منیجر پرواسی لال ورما کے خراب سلوک کی وجہ سے ہڑتال کر دی۔ آخر تیرہ دن بعد ہڑتال ختم ہوئی اور 17/ستمبر 1934 کو بنارس پریس کرمچاری سنگھ کے صدر کا۔نا۔راھنا اور پرواسی لال ورما کے درمیان سمجھوتا ہوگیا۔ روزنامہ ''بھارت'' نے 22 ستمبر



اجنتا سنے ٹون کے ساتھ قرار پر دستخط کرتے ہوئے



"سیواسدن" فلم کا رسالے میں شائع شدہ اشتہار

1934 کے شمارے میں کا۔نا۔رامنا کا بیان اور سمجھوتے کی شرطیں شائع کیں۔

انھوں نے جب ممبئی میں ملازمین کی شاندار جیت کی خبر ''بھارت'' میں پڑھی تو اس خبر سے انھیں ملازمین کے رویے پر افسوس بھی ہوا اور دکھ بھی۔ وہ نقصان اٹھاکر بھی ملازمین کے مفاد کا جس طرح خیال رکھتے رہے تھے، اس کے پیشِ نظر ان کا یہ ردِعمل قدرتی تھا۔ انھوں نے فوراً 25 ستمبر کو خط لکھ کر اشاعت کے لیے ''بھارت'' کے ایڈیٹر کو بھیجا۔ انھوں نے خط میں پریس اور رسائل سے ہونے والے نقصانات کی تفصیل لکھی اور قبول کیا کہ متواتر نقصان اور کتابوں کی کم فروخت کی وجہ سے ملازمین کو پابندی سے تنخواہ نہیں دی جاسکی۔ ''اس پر بھی میں نے 25 یا 30 ملازمین کے بے کار ہو جانے کے ڈر سے پریس بند نہیں کیا۔ میں نے ملازمین کو 'ایکسپلائٹ' نہیں کیا بلکہ ان کے ذریعے ایکسپلائٹ کیا جا رہا ہوں۔ میں نے اس پریس سے ایک پیسہ بھی نہیں کمایا، پھر بھی انھیں ادب اور سماج کی خدمت اور مزدوروں کی وکالت کرنے والے پریس سے ہمدردی نہیں ہوئی۔ میں خود مزدور ہوں اور مزدوروں کا دوست ہوں اور ان سے مجھے پوری ہمدردی ہے''۔ انھوں نے پرواسی لال ورما کو بھی خط لکھ کر سمجھایا کہ مزدوروں سے دوستانہ سلوک کرو، کیونکہ گھڑکیوں کا زمانہ اب نہیں رہا۔



پریم چند (1936)

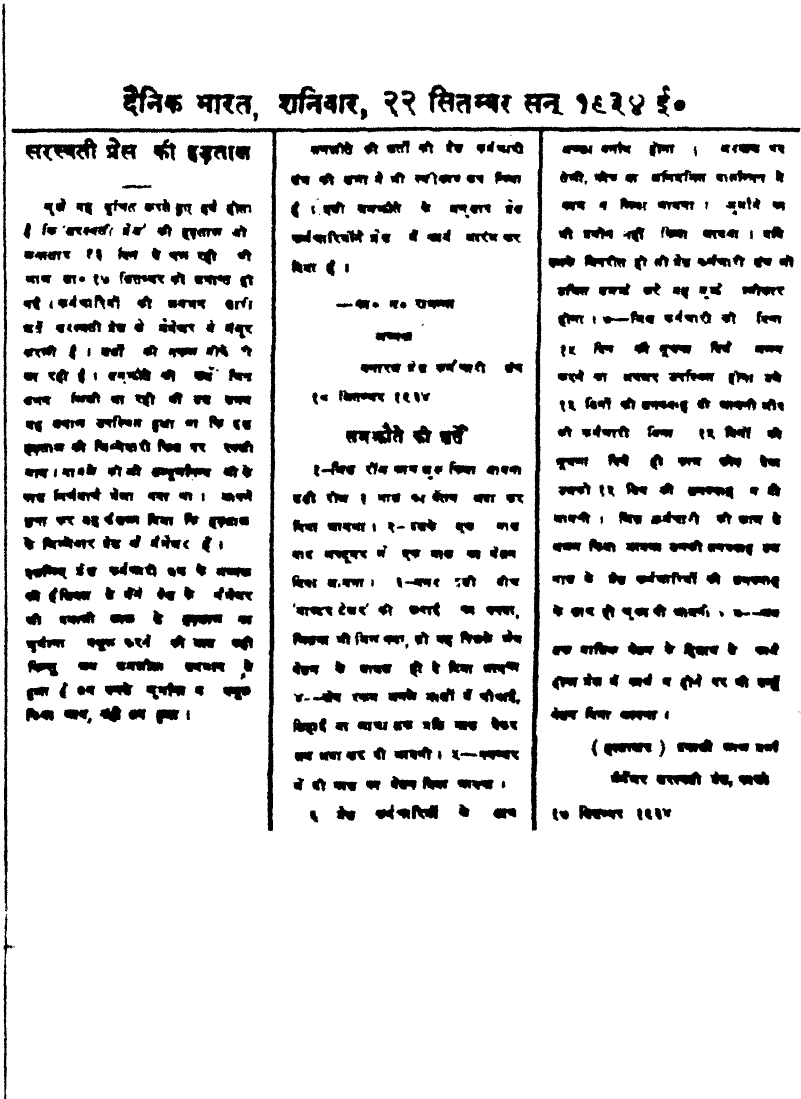


پرواسی لال ورما مالوی

وہ ان سب الجھنوں کی وجہ سے اب پریس، رسائل اور کتابوں کی تجارت سے نجات پانے کے لیے چھٹپٹانے لگے۔ انھوں نے جنیندر، شبھ چرن جین، رائے کرشن داس، اگیے، لیڈر پریس وغیرہ سے انھیں بیچنے کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا اور پریس کو الہ آباد وغیرہ لے جانے پر بھی سوچا لیکن کوئی تدبیر بارآور نہیں ہوئی۔

انھوں نے اپنی کہانیوں اور ناولوں سے ادب پسندوں کا دل اتنا موہ لیا تھا کہ لوگ انھیں مدعو کرکے اور ان کی قدر افزائی کرکے خود کو معزز اور محترم محسوس کرتے۔ وہ بھی ان ادبی دعوتوں کو قبول کر لیتے، حالانکہ خاندان کو اکیلا چھوڑنے اور روزی روٹی کے کام میں خلل پڑنے کی وجہ سے انھیں دماغی پریشانی ہوتی۔ وہ اپنی اس کمی کو محسوس کرتے تھے کہ انھیں جلسوں میں بولنے کا فن نہیں آتا، اس وجہ سے بھی وہ جان بچانا چاہتے تھے لیکن ان پریشانیوں اور دقتوں کے باوجود انھیں کئی بار اپنے چاہنے والوں اور پڑھنے والوں کی گزارشوں کے سامنے جھکنا پڑا۔

انھوں نے اپنی زندگی کے آخری دس برسوں میں تقریباً پچیس مختلف ادبی جلسوں میں شرکت کی اور مہمان خصوصی یا خاص مقرر کے طور پر تقریر کی۔ 1927 کے اساڑھ میں انھوں نے گروکل کانگڑی ہری دوار کے جلسے کی صدارت کی۔ وہاں وہ ساہتیہ پریشد کی دعوت پر گئے تھے۔ وہ گروکل کے حسن انتظام اور برہمچاریوں کی اخلاقیات سے



दैनिक भारत, शनिवार, २२ सितम्बर सन् १९३४ ई०

सरस्वती प्रेस की हड़ताल

समझौते की शर्तें

१७ सितम्बर १९३४

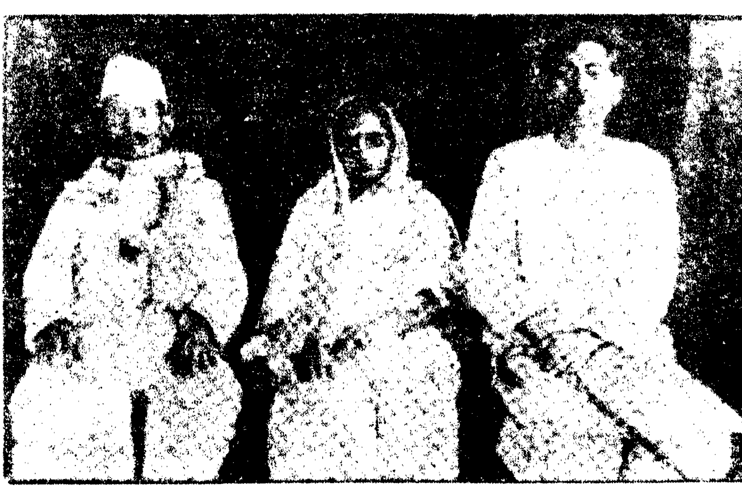
روزنامہ ''بھارت'' کے 22 دسمبر 1934 کے شمارے میں شائع شدہ سرسوتی پریس
کی ہڑتال کی خبر اور سمجھوتے کی شرطوں کی تفصیل

بہت متاثر ہوئے اور ان کی دل کھول کر تعریف کی۔

انھیں سب سے زیادہ الہ آباد کی ادبی انجمنوں نے مدعو کیا۔ وہ 20 فروری 1920، اکتوبر 1921، دسمبر 1930، 12 جنوری 1936، 14 جنوری 1936 اور 26 جنوری 1936 کو ادبی جلسوں میں حصہ لینے کے لیے الہ آباد گئے۔ الہ آباد یونیورسٹی کی ہندی پریشد کے اہتمام سے دسمبر 1930 کے "گلپ سمیلن" میں وہاں کے طلبہ، ہری ونش رائے بچن کے ساتھ جب ان سے ملے تو انھیں انھوں نے کامیاب کہانی لکھنے کے کئی گر بتائے۔ دہلی وہ تین بار گئے لیکن ان کا پہلا ادبی سفر 31/اکتوبر 1931 کو ہی ہو پایا جب وہ جنیندر کی گزارش پر ساہتیہ سمیلن دہلی کی صدارت کرنے وہاں گئے۔ دوسری بار وہ ہندی ساہتیہ سمیلن دہلی کی صدارت کرنے کے لیے 23/ستمبر 1932 کو اور تیسری بار دہلی ریڈیو اسٹیشن سے دو کہانیاں سنانے کے لیے 5/مارچ 1936 کو دہلی گئے۔ اپنے تیسرے سفر میں انھوں نے جنیندر کی مدد سے جامعہ ملیہ میں ہندی اردو کی یکجہتی کے لیے "ہندوستانی سبھا" کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے کاشی، پٹنہ، ممبئی، مدراس، میسور، بنگلور، پونہ، آگرہ، پورنیا، لکھنؤ، لاہور، اندور وغیرہ مقامات پر منعقدہ مختلف جلسوں میں حصہ لیا۔ انھوں نے 1936 کی 10/اپریل کو لکھنؤ میں "انجمن ترقی پسند مصنفین" کا افتتاح کیا اور 11/اپریل کو لاہور میں آریہ سماج پنجاب کے ششماہی جلسے کی صدارت کی۔ ان



پریم چند، رشبھ چرن جین اور جینیندر کمار (1936)



ناتھورام پریمی، شیورانی دیوی، پریم چند (1936)

اجلاس میں حصہ لینے سے انھیں خوب شہرت اور عزت ملی لیکن وہ آخری وقت میں ان سے بددل ہو گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جسے ادب کی عبادت کرنی ہے اسے سب طرح کے جلسوں سے دور رہنا چاہیے۔

انھیں کئی دفعہ انگریزی سینسر شپ اور پریس آرڈیننسوں کا شکار ہونا پڑا۔ 24 جولائی 1930 کو ممالک متحدہ کے گورنر کے چیف سکریٹری جگدیش پرساد نے انڈین پریس آرڈیننس 1930 کے تحت سرسوتی پریس بنارس سے ایک ہزار روپے کی ضمانت مانگی۔ پھر ''جاگرن'' کے 26/اکتوبر 1932 کے شمارے میں شائع ہونے والی کہانی ''اس کا انت'' کے باغیانہ لہجے کی وجہ سے ''جاگرن'' اور پریس سے ایک ایک ہزار روپے کی ضمانت مانگی گئی۔ اس کے بعد 24/مارچ 1933 کو ان کا افسانوی مجموعہ ''سمریاترا'' ضبط کر لیا گیا۔ مہاتما گاندھی کی صدارت میں قائم شدہ ''بھارتی ساہتیہ پریشد'' کے ترجمان کے طور پر جب ''ہنس'' شائع ہونے لگا تو پھر ایک بار آزادیِ اظہار پر مصیبت آئی۔ انھوں نے بیمار ہونے پر بھی ضمانت جمع کراکر ''ہنس'' کی زندگی بچائی اور اب ان کی آزادانہ ادارت میں اس کا ستمبر 1936 کا شمارہ شائع ہوا۔ اسی شمارے میں ان کا مشہور مضمون ''مہاجنی سبھیتا'' شائع ہوا جس میں انھوں نے دولت پر مبنی نظام اور سرمایہ داری کی مخالفت کرتے ہوئے روس میں جنم لینے والی اشتراکی تہذیب کا استقبال کیا۔



پریم چند اور جناردھن پرساد جھا 'دوج' (1933)



پریم چند 1936

انگریزی سینسر شپ کی ان الجھنوں کے باوجود انھوں نے اپنی کہانیوں، ناولوں اور مضامین میں انگریزی حکومت اور انگریزی تہذیب کی ہمیشہ مخالفت کی۔ انھوں نے خونِ سفید، لال فیتہ، آدرش ورودھ، ادھکار چنتا، چکما، شودرا، استعفیٰ، ماں، پتنی سے پتی، آہوتی، جلوس، سمریاترا، اُنماد، راجیہ بھکت، انوبھو، پرتی سودھ وغیرہ کہانیوں اور رنگ بھومی، کرم بھومی وغیرہ ناولوں میں انگریزی شہنشاہیت، انگریزی حکومت کی خود غرضیوں اور انگریزوں کی تہذیبی برتری کے تصور پر بے خوف ہو کر گفتگو کی۔ اس کے ساتھ انھوں نے اپنے مختلف مضامین اور ادارتی شذروں میں بھی سینسر شپ کی پروا نہ کرتے ہوئے انگریزوں کے رہن سہن، ان کی زندگی کے طور طریقوں، فرسودہ اصولوں اور مقصدِ شہنشاہیت کی مخالفت کرتے ہوئے مہاتما گاندھی اور ان کی جنگ آزادی کی پرزور الفاظ میں حمایت کی۔ حقیقتاً وہ کسی بھی حالت میں حکومتِ خود اختیاری اور ہندوستان کی حمایت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے ایسی حکومت خود اختیاری کی خواہش کی جو مغربی تہذیب کے تسلّط سے آزاد ہو اور اس پر ہندوستانیت کی چھاپ ہو۔ اپنے ان خیالات کی وجہ سے انھوں نے انگریزوں کی رائے صاحبی ٹھکرا دی اور ہندوستانی عوام کی رائے صاحبی کی خواہش کی۔

انھیں زندگی کی مشکلات سے جنگ کرتے وقت اپنی جسمانی

'हंस' पर काले कानून का प्रहार !

'हंस' के पाठकों, प्रेमियों और हितैषियों को यह सुनकर दुःख होगा, कि हम कुछ समय के लिए 'हंस' का प्रकाशन स्थगित कर रहे हैं—रोक रहे हैं। यह सब हम अपने मन से नहीं कर रहे हैं—नौकरशाही-निर्मित काले कानून की कृपा से ही हमें ऐसा करना पड़ रहा है। कारण, 'हंस' के जन्मदाता 'सरस्वती-प्रेस' से ता० २९-८-३० को १०००) की जमानत माँग की गई। हमने ज़मानत जमा करने से इन्कार करके प्रेस को बन्द कर दिया। जिन बड़ी-बड़ी आशाओं को लेकर हमने 'हंस' को नये प्रेम से प्रकाशित किया था, वे अभी कोसों दूर थीं, कि हमें इस प्रकार से हज़ारों के घाटे में आ जाना पड़ा। हमें अपने इस नुक़सान की ज़रा भी चिन्ता नहीं है, हम में वही उत्साह बराबर बना हुआ है। अगर कोई अच्छा प्रेस छापने का ज़िम्मा लेता, तो हम अन्य प्रेस से छपवाकर भी 'हंस' को निकालते; पर यह भी किसी प्रेस से प्रबन्ध न हो सका। हम मजबूर हैं। आशा करते हैं, हमारे ग्राहक कुछ समय धैर्य रक्खेंगे। ईश्वर की कृपा हुई—और जिसकी पूर्ण आशा है—तो हम डेढ़ या दो महीने के बाद ही 'हंस' को और भी सुन्दर रूप में लेकर आपकी सेवा में उपस्थित होंगे।

प्रेस बन्द करते करते हम सिर्फ़ चार ही फ़ार्म छाप सके थे। ख़याल था कि बाक़ी किसी अन्य प्रेस से छपवाकर पूरे कर दिये जायँगे; पर आज तक भी वह आशा पूर्ण न हुई और विवश होकर चार ही फ़ार्मों का यह अंक निकालना पड़ा। कवर भी दूसरे प्रेस से छपवाना पड़ा है। हमारे ग्राहक इससे घबड़ायें नहीं। इस अंक की कमी, हम आगे के अंकों में अवश्य ही पूरी कर देंगे, और संयुक्त अंक न निकाल कर पूरे बारह अंक ही साल भर में हम उनकी भेंट करेंगे। हाँ, कुछ समय अवश्य बढ़ जायगा।

'हंस' को सुन्दर बनाने के लिए, इसी अवसर में, हम एक जर्मन-मशीन भी और मँगा रहे हैं। 'हंस' के लिए अच्छे-अच्छे चित्रों का संग्रह भी कर रहे हैं। हमें पूर्ण विश्वास है, कि हम छठे अंक को बहुत ही अच्छे रूप में आपके सामने पेश कर सकेंगे।

अन्त में हम 'हंस' के प्रेमियों से इतना निवेदन और करना चाहते हैं, कि वे भी ऐसे समय में हमारी थोड़ी-सी सहायता करें। हम उनसे केवल यही चाहते हैं, कि वे इस अवसर में अपने मित्रों में से 'हंस' के दो दो ग्राहक बना दें। रुपया मनीआर्डर से न भिजवा सकें, तो केवल उनके नाम लिख भेजें, हम छठा अंक प्रकाशित होते ही उनके पास V. P. से भेजकर प्राप्त कर लेंगे।

अगर 'हंस' के प्रेमियों ने इतनी कृपा की, तो हम विश्वास दिलाते हैं, कि आगे हम भी 'हंस' को बहुत ही सुन्दर बनाने की पूरी कोशिश करेंगे।

—व्यवस्थापक।

''ہنس'' اگست 1930 میں سنسرشپ کے خلاف شائع ہونے والا اداریہ

بیماریوں سے بھی جنگ کرنی پڑی۔ وہ مئی جون 1920 میں تبدیلی آب و ہوا کے لیے ہری دوار، رشی کیش، دہرادون وغیرہ گئے لیکن اطمینان بخش نتیجہ نہیں نکلا۔ زندگی گزارنے کے لیے ادھر ادھر بھٹکنے، مالی الجھنوں اور جسمانی عوارض کے درمیان وہ کسی طرح اپنی زندگی کی ناؤ کو کھیتے چلے آئے تھے کہ 6 جون 1936 کو انھیں لمہی گاؤں لوٹنے پر پہلی قے ہوئی۔ پھر 25/جون 1936 کو دو بارہ خون کی قے ہوئی۔ اس عمر میں انھوں نے مضمون ''مہاجنی تہذیب'' اور ادھورے ناول ''منگل سوتر'' کے صفحات لکھے اور اپنے ناول ''گئودان'' کے اردو ترجمے کے لیے پبلشر کی تلاش کرتے رہے۔ وہ اگست 1936 میں علاج کے لیے لکھنؤ گئے لیکن 11/اگست کو ہی بنارس لوٹ آئے۔ وہ 7 اگست کو ڈاکٹر کی صلاح پر رام کٹورا باغ میں بھارتیندو ہریشچندر کے ہوادار مکان میں چلے گئے تھے۔ ان کی بیماری کی خبر سن کر جے شنکر پرساد، رائے کرشن داس، نرالا، مہاویر پرساد پوڈار، بیج ناتھ کیڈیا، پری پورنا نندورما، نند دلارے واجپئی، جنیندر کمار، واچپتی پاٹھک، دیانرائن نگم وغیرہ کئی ادیب انھیں دیکھنے آئے۔ ان کی قوتِ زندگی دھیرے دھیرے ختم ہوتی گئی اور 8 اکتوبر 1936 کو صبح تقریباً 10 بجے ان کی روح فانی جسم چھوڑ کر چلی گئی۔

وہ خود کو مزدور مانتے تھے اور کہتے تھے کہ انھیں روزانہ کام کر کے ہی روٹی کھانے کا حق ہے۔ اسی وجہ سے ان کی اپنی دنیا قلم، دوات،

Notice under section 3(3) of the Indian Press Ordinance, 1930.

To

The Keeper of the Saraswati Press,

Benares.

Whereas it appears to the Governor in Council that the Saraswati Press of which you are the keeper is used for certain of the purposes described in sub-section (1) of section 4 of the Indian Press Ordinance, 1930, Now therefore in exercise of the power conferred by sub-section (3) of section 3 of the said Ordinance the Governor in Council heretoy requires you to deposit with the District Magistrate of Benares a security to the amount of Rs. 1000/- (rupees one thousand only) in cash or the equivalent thereof in securities of the Government of India within two days from the receipt of this notice by you.

By order,

Chief Secretary to Government,

United Provinces.

Dated Naini Tal, July 14, 1930.

صوبہ ہائے متحدہ کے چیف سکریٹری جگدیش پرساد کا نوٹس

کاغذ، گھر، بیوی اور بچوں تک محدود تھی لیکن ادیب، ایڈیٹر، پبلشر وغیرہ کے روپ میں انھیں باہری دنیا سے جڑنا ہی تھا۔ اس لیے گھر میں بیٹھ کر ادبی عبادت کرنے اور دیہات میں رہنے کی دلی خواہشات کے باوجود وہ باہر کی ادبی دنیا سے گہرے طور سے جڑے رہے۔ اپنے دور کے ہندی اردو کے معزز ادیبوں، ناقدوں اور مصنفین کی نئی پیڑھی سے ان کے مخلصانہ تعلقات قائم ہوئے۔ انھوں نے ''مادھوری''، ''ہنس'' اور ''جاگرن'' کی ادارت کرتے ہوئے تو نوجوان مصنفین کی ایک پوری نسل پیدا کی۔ جینندر کمار، اگیے، اشک، ویریندر کمار جین، پربھاکر ماچوے، رام کمار ورما، بھنور مل سنگھی، بچن، نوین، جناردن رائے ناگر، وشنو پربھاکر، دِوج، انچل، رادھا کرشن وغیرہ مختلف نوجوان مصنفین کی تخلیقات انھوں نے اپنے رسائل میں شائع کیں اور بیچ بیچ میں خط لکھ کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔ جب بھی کوئی نوجوان مصنف ان سے ملنے آتا، قلم اور گھر کی دنیا بھول کر اس سے بات چیت میں مست ہو جاتے۔ وہ نوجوان نسل کو ترغیب دینا اور اس کی حوصلہ افزائی اور مدد کرنا اپنا ادبی فریضہ تصور کرتے تھے۔

وہ ایک سچے ہندوستانی تھے جنھیں گزر بسر کے لیے بہت کم چیزوں کی ضرورت تھی۔ ایک عام ہندوستانی کی طرح ہی ان کی خواہشات اور ضروریات محدود تھیں۔ وہ ایک عام دیہاتی کی طرح کپڑے پہنتے تھے۔ ہندوستانی لباس سے انھیں بے حد دلچسپی تھی۔ دھوتی کرتا ان کا



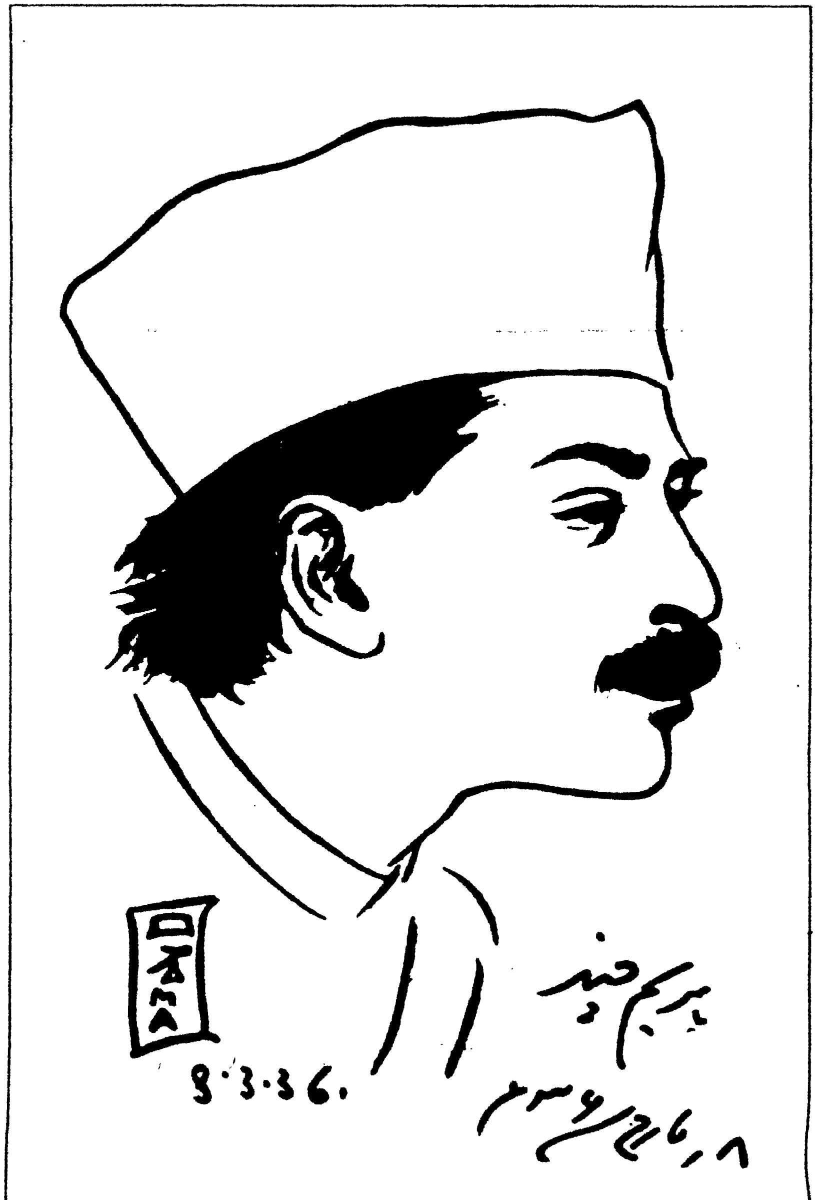
پریم چند بیماری کی حالت میں



آخری سفر کی تیاری

سب سے پسندیدہ لباس تھا۔ اس وقت گاندھی ٹوپی، کرتا، ٹوپی، صافہ، شیروانی، پاجامہ وغیرہ قومی لباس تھے اور انھوں نے انھیں روحانی طور سے اپنایا ہوا تھا۔ انھوں نے کوٹ پینٹ پہنا ضرور، لیکن بیرونی لباس انھیں پسند نہ تھا اور اس میں انھیں انگریزیت کی بو آتی تھی۔ وہ عموماً فرش پر بیٹھ کر ڈیسک پر لکھتے۔ وہ کرسی تو بہت بعد میں بیوی کے کہنے سے لائے۔ گائے ان کے پاس ہمیشہ رہی۔ اس طرح ان کی اپنی ضروریات بہت محدود تھیں۔ حقیقتاً عام انسان ہونے کی وجہ سے ہی وہ اتنے عوام پسند ادیب ہو سکے۔

پریم چند نے تقریباً 300 کہانیاں، 15 ناول، 3 ناٹک لکھے، 10 کتابوں کے ترجمے کیے اور ہزاروں صفحات میں دیگر اصناف یادگار چھوڑیں۔ وہ خیال اور فن دونوں ہی پہلوؤں سے اوّل درجے کے ادیب تھے۔ وہ ایک قومی پہرے دار، دیہاتی زندگی اور ثقافت کے رپورٹر، تباہ حالوں اور مصیبت زدوں کے مسیحا، سماجی بیداری کے علمبردار، قومی یکجہتی کے حمایتی اور ہندی افسانوی ادب میں حقیقت پسندی کے ترجمان اور فنی شعور کے حامل بہترین اور کامیاب مصنف تھے۔ ان میں کبیر اور تلسی کا مشترکہ تہذیبی شعور تھا۔ انھوں نے اپنے ادب کے ذریعے ہر قسم کی تباہی، بربادی اور غلامی کے خلاف آواز اٹھائی اور انسانیت پر مبنی سماج کا تصور پیش کیا۔ اس کے لیے انھیں سوامی دیانند، ودیکانند، مہاتما گاندھی، ٹالسٹائے، گورکی وغیرہ جیسے عظیم



پریم چند کا اسکیچ (1936)

انسانوں سے ترغیب اور قوت حاصل ہوئی۔ ان کی نظر میں سوراجیہ کا مطلب ملک کے غریب، پامال اور غلام عوام کی حکومت تھی۔ حقیقتاً وہ انسانی آزادی کے حامی سب سے پہلے مصنف تھے جس نے مغرب کی سرمایہ داری اور صارفی تہذیب کی خرابیوں کو پہچانا اور ملک کی بنیادی زرعی تہذیب اور زندگی کے طور طریقوں کی حفاظت کی طرف ملک والوں کا دھیان مبذول کرایا۔ اپنی انسانیت پسندی کی وجہ سے وہ ہندوستان کے ہی نہیں بلکہ پورے انسانی سماج اور اس کی انسانیت کے مصنف ہیں۔ انھی خوبیوں کی وجہ سے ان کی پیدائش کے دن (1980) کو ہندوستان کے علاوہ دنیا کے زیادہ تر ملکوں میں انھیں عزت کے ساتھ یاد کرتے ہوئے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ وہ ہمیشہ بالمیکی، کالی داس، تلسی داس وغیرہ کی طرح عام انسان کے مصنف بنے رہیں گے۔



کتاب کے مصنف کمل کشور گوئینکا لمہی گاؤں میں پریم چند کے مجسمے کے ساتھ



امرت رائے "پریم چند وشوکوش" کا اجرا کرنے کے بعد اس کے مصنف
کمل کشور گوئینکا کو دیتے ہوئے



ماری شس میں پریم چند کے صدسالہ یومِ پیدائش (1980) کے موقعے پر
(تصویر میں بائیں سے) ماری شس کی ایک لڑکی، جینندر کمار،
ڈاکٹر شیوساگر رام غلام اور کمل کشور گوئینکا